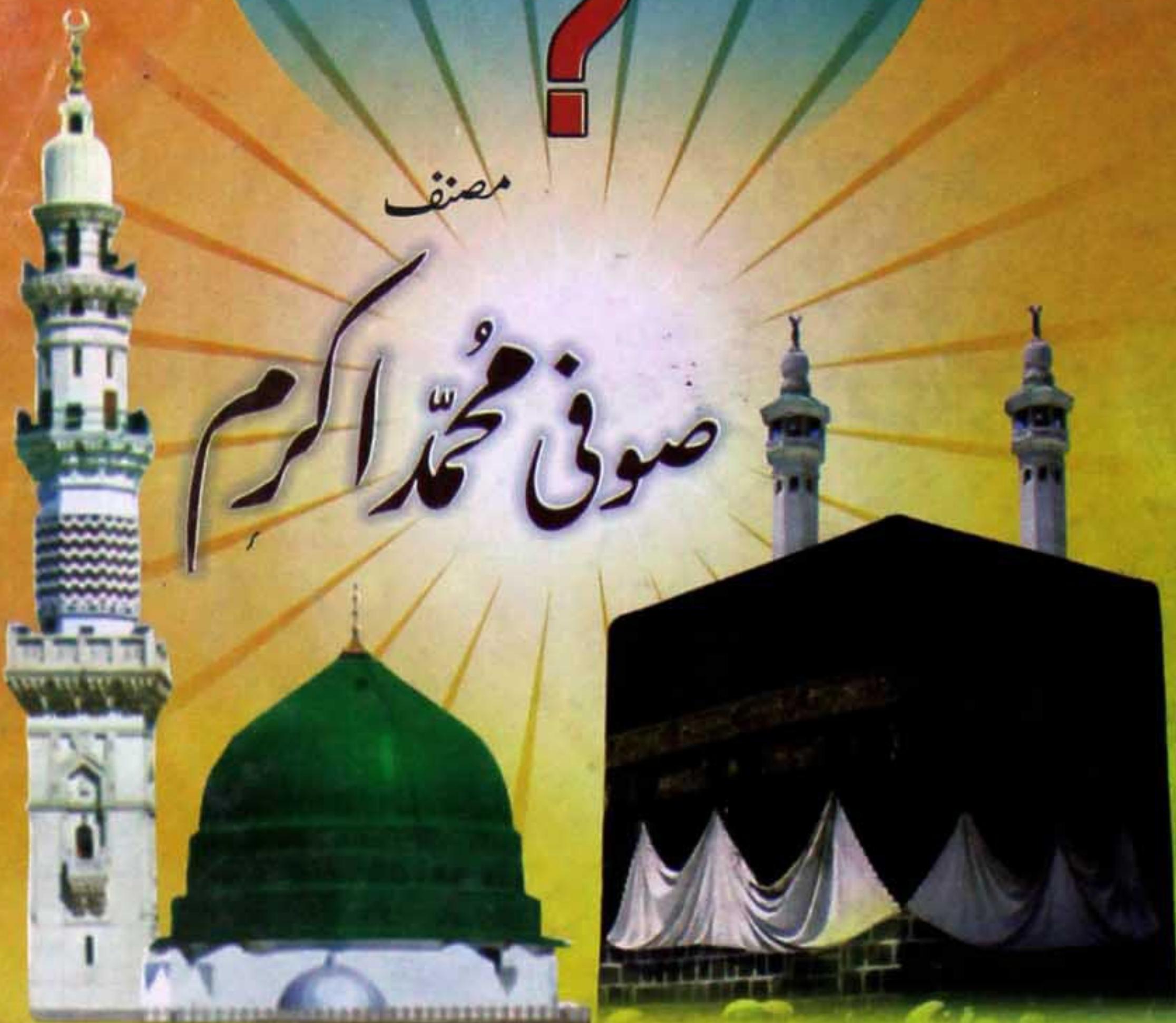


قرآن و سنت اور حکم ؟

مصنف

صونِ محمد اکرم



ضیاء الرحمہ آن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی پاکستان

قرآن و سنت اور ہم

صوفی محمد اکرم

ضیاء راستہ آن پلی کمپنی
لاہور - کراچی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قرآن و سنت اور ہم؟	نام کتاب
صوفی محمد اکرم	مرتبہ
صوفی محمد اکرم	کمپیوٹر کمپوزنگ
صاحبزادہ غلام بشیر صاحب نقشبندی	نظر ثانی
ضیاء القرآن پبلی کیشنر، لاہور۔ پاکستان	طبع
ستمبر 2004	بار اول

ملنے کا پتہ

MOHAMMAD AKRAM
TANTE ULRIKKES VEI 1
0984 OSLO NORWAY
Tel:- 00 47 93222766

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَوْلَائِي صَلَّ وَسَلِّمَ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلَّهِمْ

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجِي شَفَاعَتَهُ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَمِنْ عَجَمٍ

انتساب

میری نیاز مندیاں حضور ضیاء الامت قدس سرہ العزیز کی اقبال نوازیوں کے
لیے ممنون احسان ہیں جن کے چھنستان علم و حکمت سے چند پھول چن کر یہ ناچیز
ایک گل دستہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

میرے لمحے میں آئی ہے حلاوت
جمالِ ہم نشیں تیرے اثر سے

کون ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ؟

جو مظہرِ جمالِ شریعت تھے رونقِ مسندِ طریقت تھے
سرپشتمہ علم و معرفت تھے منبعِ فیض و برکت تھے
محی القلوب اور مسیحائے نفس تھے

جن کی نگاہِ کیمیا اثر سے مجھ ناچیز کو فکرِ راست، شوقِ مطالعہ، ذوقِ عبادت اور
محبتِ صالحین جیسے خزانے نصیب ہوئے۔ میں اپنی اس تحریری کوشش کو حضور ضیاء
الامت سیدی و مرشدی پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کا
فیض سمجھتا ہوں اور انہی کے نام کرتا ہوں۔

تیری نسبت نے سنوار امر اندمازِ حیات

میں اگر تیرا نہ ہوتا، سگِ دنیا ہوتا

مجھے اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی کا پورا احساس ہے۔ اپنی کوتاہ دامنی و کم علمی کا شعور ہے۔ مجھ پر کرم برسا ہے تو میرے مرشدِ کریم آفتاپ علم و حکمت ماتحتاب طریقت حضرت قبلہ پیرزادہ محمد امداد حسین صاحب مدظلہ کے توسط۔ -
اگر آپ مدظلہ کی نسبت مجھے حاصل نہ ہوتی تو شاید میں میخانہ کرم سے ساغر محبت نوش نہ کر پاتا۔ دل کی دھڑکنیں دہلیز الوہیت پر سجدہ ریز ہو کر عرض کناں ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ پیرزادہ صاحب مدظلہ کو عمر دراز عطا فرمائے اور آپ کے وجود کی برکتوں سے ہمیشہ ہمیں مستفید رکھے۔ (آمین ثم آمین)

۷

اللہ تا به ابد آستان یار رہے
یہ آسرا ہے فقیروں کا، برقرار رہے

محمد اکرم

فہرست

12	پیش لفظ
14	اطھارِ خیال (حضرت مولانا غلام بشیر نقشبندی صاحب)
18	ضرور ہونی چاہیے ایک جماعت
19	خالق و مالک کی بارگاہ بے کس پناہ میں دعا
21	تم بہترین امت ہو
23	امر بالمعروف و نہی عن المنکر
23	ایک دوسرے کی مدد کیسے کرو؟
24	مشاخ اور علماء کا گناہ اور حرام کھانے سے منع نہ کرنا
24	سرزا کا مستحق عبادت گزار
25	خلافِ شرع کامد کیجھ تو کیا کرے؟
26	قرآنِ حکیم کے نزول کا مقصد؟
28	انسان کو خوشی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟
29	آپس میں سلام کرنے کا طریقہ
30	سلام کرنے کے بارے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
31	دو گروہ لڑ پڑیں تو باقی اہل ایمان کیا کریں؟
32	مسلمان بھائی پر نہ ظلم کرنہ اسے ظالم کے حوالے کر
33	مسلمان کے لیے دُعا مانگنا

33	مسلمانوں کی مثال ایک جسم جیسی ہے
35	اگر اختلاف ہو یا جنگ چھڑ جائے تو کیا کرو؟
38	باغیوں کے بارے احکامات
41	مسلمان آپس میں لڑ بھی پڑیں تو.....
42	دو بھائی آپس میں ناراض ہوں تو
43	فساد اور صلح کے بارے میں حدیث شریف
44	تمسخر اڑانا، عیب لگانا اور برے لقب دینا
49	مردہ بھائی کا گوشت کھانا
57	تمام لوگ ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد
59	تو میں اور خاندان کیوں؟
60	معزز و محترم کون؟
63	اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق کون؟
63	انتہائی ڈکھ کے ساتھ ایک حقیقت
64	شراب اور جوئے کے بارے
66	شراب، جوا، جوئے کے تیرشیطانی کا رستا نیاں
70	شراب اور جوا، عداوت و بعض کا سبب
73	بے حیائی پھیلانے کا عذاب
74	اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت
75	پا کیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو

- 76 کس کی دعا قبول نہیں ہوتی ؟
- 76 شیطان براہی اور بے حیائی سکھاتا ہے
- 77 شیطان کے وسوسوں سے بچاؤ کیسے ؟
- 78 نیک کام کا اجر کے ملے گا ؟
- 82 حلال اور پاکیزہ کھا و شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے
- 83 شیطان بد کاری اور بد معاشی کی دعوت دیتا ہے
- 83 اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ
- 85 اگر تم پھسلنے لگو روشن دلیلیں ملنے کے بعد ؟
- 85 بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی
- 87 ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں
- 87 اہل پاکستان کو خصوصی طور پر متوجہ ہونا چاہیے
- 89 پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتا
- 90 ہمیشہ سچی بات کرو
- 91 جھوٹ کون بولتے ہیں ؟
- 91 ہر حال میں سچی گواہی دو اور ہر حال میں انصاف کرو
- 94 کسی کی عداؤت عدل میں آڑنے نہ آئے
- 95 سچی گواہی پر قائم رہنا
- 95 جھوٹی گواہی نہ دینے والوں کی صفت
- 96 جھوٹی گواہی کے بارے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

96	فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی جھوٹے گواہ کو سزا میں
97	مسجد میں اعمالِ سیمہ کا ارتکاب
99	جھوٹے کو مسجد سے نکال دینا ضروری ہے
100	عہدوں پیمان، وعدے اور معاهدے
100	اپنے عہدوں کو پورا کرو
101	امانتوں اور عہدوں پیمان کی پاسداری کرو
102	معاهدوں کی پابندی کی اہمیت
103	وعده کے بارے پوچھا جائے گا
103	عہدوں پیمان سورۃ النحل آیت نمبر ۹۱
105	نہ ہو جاؤ احمد عورت کی مانند
106	نہ بناؤ قسموں کو فریب دینے کا ذریعہ
107	عہد شکنی اور فریب کاری کا دردناک عذاب
109	مت بیچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو
109	مال ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کی رحمت باقی رہے گی
110	ایفاء عہد کے بارے ایک مشہور واقعہ
111	عہد شکنی پر پانچ دردناک سزا میں
112	حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشاد گرامی
113	پھیل گیا ہے فساد بر و نحر میں
116	لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانا

118	واقعہ معراج سے عبرت ناک اقتباس
121	فتنه باز خطیبوں کا انعام
121	درس اتفاق و اتحاد
125	اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوزخ میں گرنے سے بچالیا
125	عظمتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
126	جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو
129	دُشمنانِ دین سے دوستی
130	اللہ تعالیٰ کے لیے قریبی رشتہ داروں کو قتل کرنا
132	اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ان کے دلوں میں
133	واقعہ تاجرت اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
152	اطاعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
178	ایک فتویٰ
187	آخری دعا

پیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ امت مسلمہ کے امتیازات میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلْتُمْ حَيْرَ أُمَّةً أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَلَوْا مَنْ آهُلُ
الْكِتَابُ لَكَانَ حَيْرًا لَّهُمْ ۖ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَآكُثُرُهُمُ
الْفَسِقُونَ ۝ (آل عمران: 110)

”ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتا ان کے لیے۔ بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان ہیں۔“

(جمال القرآن)

وہ لوگ کتنے خوش بخت ہیں جو اس مادیت گزیدہ دور میں بھی یہ فریضہ سر انجام دے رہے ہیں جبکہ نفسی کا دور دورہ ہے۔ ہر کوئی دنیاوی لذتوں اور آسائشوں کے حصول کے مقابلے میں مصروف کار ہے۔

زیر نظر کتابچہ: قرآن و سنت اور ہم؟

صوفی محمد اکرم صاحب کی تالیف ہے۔ ہر ہر لفظ اخلاق و محبت سے لبریز ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور عوامِ الناس کے لیے نفع عمیم کا باعث بنائے۔

دُعا گو:

قاضی محمد ایوب

شیخ الحدیث دارالعلوم محمد یہ غوثیہ
بھیرہ، ضلع سرگودھا، پاکستان

اظہار خیال

جناب صاحب جزا دہ غلام بشیر صاحب نقشبندی
 فاضل دارالعلوم محمد یہ غوثیہ بھیرہ شریف، ضلع سرگودھا پاکستان
 سجادہ نشین آستانہ عالیہ باولی شریف، ضلع گجرات پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خالق کائنات کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا،
 احسن تقویم کا لباس پہنایا، اپنی خلافت کا تاج عطا فرمایا اور نہ اگروہ چاہتا تو ہمیں
 کسی جانور یا حشرات الارض کی صورت میں بن سکتا تھا۔ ذرا سوچیں تو ہمیں تو سہی اگر ہم
 موجودہ شکل میں نہ ہوتے بلکہ لوگوں کے پیروں میں رینگتے ہوئے کثیرے ہوتے
 تو کیا حالت ہوتی۔ قرآن مجید میں بار بار افلا تَعْقِلُونَ، افلا تُنْصِرُونَ،
 افلا يَتَدَبَّرُونَ اور افلا يَنْظُرُونَ کہہ کر دعوتِ فکر دی گئی ہے۔

انسان جسم اور روح کا دلآلی ویز و خوشنا امتزاج ہے۔ خالق نے دونوں کی
 نشوونما کے لیے خوراک کا اہتمام کیا۔ جسم مٹی سے بنائے اس کی خوارک (پھل،
 اجناس وغیرہ) مٹی سے ہی آتی ہے اور روح عالمِ امر کی شے ہے اس کی خوراک
 (شریعتِ مطہرہ) بھی ادھر سے ہی بھیجی گئی ہے۔ قرآن مجید اس مادی دنیا کی چیز
 نہیں بلکہ اسے یہاں اتنا را گیا ہے۔ قرآن پاک کا ظاہر تو کتابوں جیسا ہے مگر

باطن تمام کتابوں سے مختلف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ لَا يَهُدِي إِلَى اللَّهُ
مَنِ اتَّبَعَ رِصْوَانَهُ سُبْلَ السَّلِيمِ وَ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ يَهُدِي إِلَيْهِمْ إِلَى صَرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

(المائدہ: 15-16)

”تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف پسے نور اور حق نما کتاب آگئی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں، سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالوں کی طرف لا تا ہے اور سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے۔“

اس قرآنی دعویٰ کی سچائی کو دیکھنا ہوتا ہے اہل عرب کی تاریخ پڑھ لیں۔ جن لوگوں نے اسے سینے سے لگایا اسے اپنا دستورِ حیات بنالیا وہ دنیا کے امام بن گئے۔ انہوں نے زمین کو رشکِ جنت بنادیا۔

امریکی سکالر ویل ڈیورال اپنی کتاب Story of Civilization میں لکھتا ہے:-

”قرآن پاک کے انقلابی پیغام نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی و ثقافتی سطح بلند کی۔ انہیں معاشرتی نظم و اتحاد کا درس دے کر صحت مندانہ اسلوبِ حیات ارزانی کیا۔ ظلم و ستم اور اوهام کی بیخ کرنی کی۔ پسمندہ خطوں کا ماحول سنوارا۔

پستیوں کے شکار آدمزادوں کو باوقار مقام عطا کر کے انہیں وہ احساسِ تفاخر عطا کیا جس کی نظیر سفید فام دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ ہمیں قرآن پاک کا احسان مند ہونا چاہیے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پاک اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے مضبوط اعتقادی و عملی تعلق قائم کیا۔ لیکن آج ہماری ذلت و پستی کا سبب یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو طاقوں میں سجادا یا ہے۔ قرآن کریم کتابِ ثواب ہی نہیں صحیفہ انقلاب بھی ہے۔ یہ صرف اس لیے نازل نہیں ہوئی کہ چند مخصوص موقعوں پر اس کے الفاظ کی تلاوت سے برکت حاصل کی جائے بلکہ اس کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان اس کی ہدایت کے نور میں اپنا سفرِ حیات طے کرے۔ اپنی زندگی کو اپنے خالق کی رضا کے سانچے میں ڈھال لے اور حقیقی شرفِ انسانیت کو پالے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم قرآن مجید پر عمل کریں۔ اس کی معین کردہ حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کریں۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز رکھیں۔

قرۃ عیون الاولیاً محترم محمد اکرم صاحب اسی درد کو لے کر چلے ہیں کہ آؤ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھو اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق گزارو۔ انہوں نے حضرت ضیاء الامت قدس سرہ العزیز سے اکتابِ فیض کرتے ہوئے جو کتاب ”قرآن و سنت اور ہم؟“ رقم کی ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ چند آیاتِ قرآنی کا پیغام بڑے حسین انداز میں نئی نسل تک پہنچایا گیا ہے۔ لفظوں میں محبت، لہجہ میں مشہاس، اسلوب بیان میں سلاست و روانی ہے۔ یہ ایک کردار

ساز و حیات بخش کتاب ہے۔ آئیے قرآن پاک کو الماریوں کی زینت نہ بنائیں بلکہ اس سے اپنے سینوں کو زینت بخشنیں۔

کیا ہم چند قرآنی آیات پڑھنے اور سمجھنے کے قابل بھی نہیں؟ اللہ تعالیٰ جناب محمد اکرم صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور ہمیں قرآن پاک کے آئینے میں اپنا کردار مکھنے کی دعوت دی۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان!

اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

غلام بشیر نقشبندی

باولی شریف، گجرات، پاکستان

نَحْمَدُه وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلی رَسُولِہ الْکَرِیمِ
 وَعَلی اٰلِہ وَاصْحَابِہ اَجْمَعِینَ ط
 اَمَّا بَعْدُ فَاعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَنِ الرَّجِیمِ ط
 بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے
 وَلَتَكُنْ مِنْکُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَا مُرُونَ
 بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ
 الْمُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران 104)

”ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بُلا یا کرے نیکی کی
 طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور
 یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔“ (ضیاء القرآن)

اس ارشادِ ربانی کے پیشِ نظر کچھ تحریر کرنے کی سعادت
 حاصل کر رہا ہوں اور اُسی خالقِ و مالک کی بارگاہِ پیکس پناہ میں
 بصدِ عجز و نیاز عرض گزار ہوں کہ آئے رحمۃ اللعائیین صلی اللہ علیہ وآلہ
 واصحابہ وسلم کے رب! آئے ذرول کورشک آفتاب بنانے والے!
 آئے قطروں کو سمندر کی وسعتیں بخشنے والے! آئے گداوں کو ہفت
 اقلیم کی سلطانی کا تاج پہنانے والے! آئے دلوں کے ظلمت کدوں
 میں اپنی معرفت کے چراغ روشن کرنے والے! اس ذرہ ناچیز کو، اس
 قطرہ حقیر کو اس سیاہ رُوا اور سیاہ دل کو اپنے پیارے محبوبِ مکرم صلی اللہ
 علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا صدقہ اپنی عنایاتِ خروانہ سے، اپنے
 الطافِ شاہانہ سے، اپنی نوازشاتِ کریمانہ سے سرفراز فرماء اور شرِ
 شیطان سے بچا، اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ
 واصحابہ وسلم کی محبت میں زندہ رکھا اور اسی محبت میں خاتمه با الخیر فرمانا
 اور اس ناچیز کی اس حقیری کوشش کو اپنی بارگاہِ پیکس پناہ میں قبول فرماء۔
 (آمین ثم آمین بجاهِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

قرآنِ کریم کی جس آیتِ مبارکہ کو میں نے اپنا عنوان بنایا ہے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازم ہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں۔

یہ دین قَیْم جس نے عالمِ بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ و اشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغامِ رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالمگیر پیغامِ ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا اور یہ اس پیغامِ حق سے بھی نا انصافی ہو گی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہو گا جو گھبپ ان دھیروں میں بھٹک رہی ہیں جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔

نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اُس کے آئینہِ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے۔ اُنکی گرمی عمل بھی سُستی کاشکار ہو سکتی ہے۔ اردو گرد کے گمراہ گن تاثرات سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا، ان کی گرمی عمل کو باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبي تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں خود اس قوم میں راہ پاسکتی ہیں جو اس دین کی علمبردار ہے۔ یہ دونوں کام یعنی ملتِ اسلامیہ کو شاہراہِ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک پیغامِ رُشد و ہدایت پہنچانا جتنا اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور چیزیں ہیں اس لیے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ

وآلہ واصحابہ وسلم کا مظہر کامل ہو۔ ان میں علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانی کرنا کوئی آسان کام نہیں اس کے لیے جس بڑی سے بڑی مالی قربانی، ایمانی فرست، قلبی بصیرت اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے وہ پوری ہونی چاہیے۔ اگر ملت اسلامیہ اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کی جوابدہ ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار رہی۔ جب تک مدارسِ اسلامیہ غزالی، رازی، سعدی اور بیضاوی اور خانقاہیں رومی، ہجوری، اجمیری، زکریا ملتانی، شیخ سرہندی رضی اللہ عنہم جیسی فخر روزگار ہستیاں تیار کرتی رہیں کفر کے ظلمت کدے اسلام کے نور سے روشن ہوتے رہے۔ حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخر کرتی رہی۔ لیکن اب؟ رویم بہیں حلم مپرس۔ میرا چہرہ دیکھ لو۔ اس پر میری حرام نصیبوں کی داستان کا ہر حرف کندہ ہے۔ میرا حال پوچھو نہیں۔ یہ اتنا درد انگیز ہے کہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی ہمت اور نہ تم میں سننے کی تاب۔

آے اللہ! ہم پر چرم فرم۔ آے گند خضراء کے مکین! چارہ سازی کر۔
قارئین کرام! اسی عنوان کے تحت اسی سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتُ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَاونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَعْمَلُونَ بِاللَّهِ ط (آل عمران: 110)

ہوتم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت اور بھلانی) کے

لیے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو بُراٰئی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر۔

حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الا زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شرح:- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی امت کو خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا جا رہا ہے کہ جتنی بھی امتیں آج تک صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے تم بہتر ہو۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پا کیزہ، بہت بلند ہے۔ تم اس لیے زندہ ہو اور اس لیے کوشش ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے۔ گمراہی کی ظلمت کافور ہو۔ باطل کا طسم ٹوٹے اور اخلاقِ حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ وہ حیوانی رسم درواج جنہوں نے طاقتوں کو ظالم اور چیرہ دست اور کمزور کو مظلوم و فاقہ مست بنار کھا ہے مٹ جائیں اور اسکے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر تم خود بھی ایمان لا چکے ہو اور دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہو۔ اگرچہ پہلی امتیں بھی امر بالمعروف، نبی عن الممنکر اور ایمان باللہ سے مشرف تھیں۔ لیکن جو شان تمہارے امر بالمعروف کی ہے جو جلال تمہارے نبی عن الممنکر میں ہے اور جو گہرائی، اور کمال تمہارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔ نیز جس ہمت، خلوص اور سرفراذی سے تم نے اس بار امانت کو اٹھایا ہے یوں آج تک کوئی نہ اٹھا سکا۔ اس لیے تم اس کے جائز مسحتق ہو کہ اقوامِ عالم کی بھری محفل میں تمہارے سر پر افضلیت کا تاج رکھا جائے۔ ان کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی امت کے خیر الامم ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے جو اس آیت میں ہی مذکور ہے یعنی دوسری قوموں کے فیضان ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم (وہ بھی ایک مقررہ وقت تک) مستفیض ہو سکتی تھی۔ لیکن تمہارا ابرا کرم بحروف، نشیب و فراز، سیاہ و سپید، نزدیک و دور ہر خطہ پر بر سے گا۔ اور ہر خطہ کے پیاسوں کی پیاس بُجھائے گا تمہاری برکتیں صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہیں۔ اور یہ وہ شرف ہے جو کسی کو پہلے حاصل نہیں ہوا۔ یہ وہ جود و سخا ہے جس سے پہلے دنیا متعارف نہیں۔ **أُخْرِجَتُ لِلنَّاسِ مِنِ**
إِسْرَئِيلَ اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

قارئین محترم! اب پیشِ خدمت ہیں سورۃ المآمدة کی دو آیات
مبارکہ اور ان کا ترجمہ اور تشریح، اسی تفسیر ضیاء القرآن کے اور اق سے
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالثَّقَوَىٰ ۝ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِلَاثِمِ وَ
الْعُدُوِّانِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

”اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے“۔ (المآمدة آیت نمبر 2 کا آخری حصہ)

تشریح:- زندگی کا ایک اور زریں اصول سکھایا جا رہا ہے کہ تمہارے آپس کے تعلقات کی بنیاد اور اقوامِ عالم سے تمہارے تعلقات کی اساس یہ ہونی چاہیئے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں انہیں تمہاری اعانت اور تعاون حاصل ہو اور ہر بُرائی اور گناہ کی تحریک میں تم اُن سے الگ رہو۔ قرآن کریم کا ہر حکم دل نواز،

اس کی ہر آیت انسانیت پرور اور اس کا ہر فرمان گمراہوں کے لیے روشنی کا مینار ہے لیکن ان کی برکات کا ظہور توبہ ہو جب ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور اس کو کلامِ الٰہی ماننے والی قوم ہی جب عملی طور پر اس سے رُوگردाह ہو تو اس کی مُضمر خوبیاں اور فائدے کیونکر عیاں ہوں۔

لَوْلَا يَئْتَهُمُ الرَّبِّينِيُّونَ وَ إِلَّا حُبَّاً عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِلَّاثُمَ وَ

أَكُلِّهِمُ السُّحْتَ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

”کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کرنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت بُرے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے۔“ (المآمدۃ آیت نمبر 63)

شرح: - علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ لو لا اگر ماضی پر داخل ہو تو زجر و توبخ کے لیے ہوتا ہے یعنی انہوں نے کیوں ایسا نہ کیا۔ کیوں اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی۔ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو کسی کام پر برائیخت کرنے اور اکسانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں مضارع پر داخل ہے اور مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ لوگوں کو حرام کاری اور حرام خوری سے منع کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہی اشد آیۃ فی القرآن (کشاف) یہ قرآن کریم کی سخت ترین آیت ہے۔ اور ضحاک کہتے ہیں مافی القرآن اخوف عندي منها (کشاف) میرے نزدیک قرآن کریم میں اس سے زیادہ خوف دلانے والی کوئی آیت نہیں۔ اس میں علماء اسلام کو بھی امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کی تاکید بلیغ ہے۔ علامہ قربی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک فرشتہ کو حکم دیا گیا کہ فلاں گاؤں کو بر باد کر دو۔ اس نے عرض کی کہ اس میں توفلاں عبادت گزار رہتا ہے۔ حکم ہوا کہ ہلاکت کی ابتداء سے کرو۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے شریعت کے احکام کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں اور کبھی اس کے چہرے کارنگ تک بھی میلانہ ہوا۔

قارئین کرام! ارشاداتِ باری تعالیٰ قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ کی صورت میں پیش کیئے اور اب فرمانِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حدیث شریف سے پیش کرتا ہوں۔ آپ نے اپنے پیارے آقا و مولیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب رسولِ معصوم اور ہم گناہ گاروں کے غم خوار، شافعِ یوم النشور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا یہ پیارا اور میٹھا ارشاد گرامی یقیناً ضرور سنانا ہوگا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى
مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيَعْتِرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ
فَلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ
الْأَيْمَانِ - (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص کوئی بات خلافِ شرع دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے

اور اگر زبان سے بھی منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ (مسلم شریف)

قرآن حکیم کے نزول کا مقصد اولین حضرتِ انسان کی اصلاح ہے۔ تربیتِ پیغمبر سے اس کے نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ بنانا ہے۔ ہوا و ہوس کے غبار سے آئینہِ دل کو صاف کر کے اسے انوارِ ربانی کی جلوہ گاہ بنانا ہے۔ انسانیت وغور، تمروز و سرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالکِ حقیقی کی اطاعت و انقیاد کا خوگر کرنا۔ یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔ قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن و خوبی سے کہ دُنیا کا نقشہ بدل گیا۔

یہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے زندہ جاوید حقیقت اور ناقابلِ انکار حقیقت کہ قرآن پاک کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھرا اور سدھر کر ساری کائنات کے لیے آئی رحمت بن گیا۔ غور فرمائیے حکمتِ الٰہی نے نزولِ قرآن پاک کے لیے جس سر زمین کو منتخب کیا وہ عرب کا خطہ تھا۔ وہاں بسے والے لوگ شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن انسانیت سے اُن کا دُور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ کفر و شرک، فسق و فجور، ظلم و ستم، وحشت و بربست، جہالت اور اجداد پن اس پر فقر و افلات مستزاد، غرضیکہ کو ناس عیب تھا یا کوئی گمراہی تھی جو اُن میں بدرجہ اتم موجود نہ تھی اور دُنیا نے دیکھا کہ قرآن حکیم کی تاثیر اور صاحبِ قرآن کی برکت سے وہ کیا سے کیا بن گئے۔ اگر قرآن پاک عرب کے اجداد بد و وَّاں کو آدم و بنی آدم کے لیے باعثِ عز و شرف بن سکتا ہے۔ اگر ان

جاہلوں کو جواب بھی نہ تھے بزم علم و دانش کا صدر نشین بن سکتا ہے۔ اگر حرم کعبہ میں 360 بُتوں کی پوجا کرنے والے دل میں معرفتِ الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے صنم کدہ تصورات کے لات و ہبیل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے ظلمت خانہ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منور نہیں کر سکتیں۔ بخدا ہو سکتا ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن پاک کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں اور ہمارا کاروانِ حیات اس شہراہِ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو قرآن حکیم نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

اے درماندہ راہِ قوم! قرآن کریم تمہیں عظمت و عزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جاسکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کرو۔

اے اپنی قسمت برگشته پر آہ و فغاں کرنے والے نوجوانو! دُنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشته ہے۔ تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو..... قرآن پاک واپس دلا سکتا ہے اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو۔

زندگی کی یہ ساری چہل پہل تقسیم کار کے باعث ہے۔ ایک ہی ملت کے مختلف افراد مختلف کام سرانجام دے رہے ہیں کسی کے ہاتھ میں حکمرانی کی باغ دوڑ ہے۔ کوئی مجالس مشاورت کا رکن رکیں ہے۔ کوئی تجارت و صنعت کو چار چاند لگا رہا ہے۔ کوئی شکم زمین سے رزق کے سر بھر خزانے نکال کر ان کے ڈھیر لگا رہا ہے۔ کوئی دعظ و نصیحت کے منبر پر جلوہ نما ہے۔ کوئی تعلیم و تدریس کی مند کورونق بخشے ہوئے ہے اور کوئی سجادہ فقر و درویشی پر تشریف فرمائے۔ قوم کو

مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اُسی وقت کہا جاسکتا ہے جب کہ اُس کے تمام عناصر حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں اور اپنے دائرہ عمل میں قرآن مجید کی ہدایت پر کار بند ہوں اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری دیانت داری سے مصروف کا رہوں۔ ان عناصر کا باہمی تعلق اتنا گھرا ہوتا ہے کہ اگر ایک عنصر بھی جادہ حق سے برگشته ہو جائے تو دوسرے عناصر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا ہے اور ہر گروہ میں راہ پانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے اور انہیں اس کے عبرت ناک انجام سے آگاہ کیا ہے۔

ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرت ناک انجام کے متعلق قرآن پاک میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ ان برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انہیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں اور اگر خدا نخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہونا کیوں سے غافل کیوں ہیں؟ کیا مکافاتِ عمل کا قانون، قدرت کا اٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ ﴿لَئِنْ تَجِدَ لِسْتَةً أَنْشَأَ اللَّهُ بَيْدِيْلًا﴾ اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز تغیر و تبدل نہ پائیں گے۔ (سورۃ الاحزان بآیت نمبر 62 کا آخری حصہ)

قارئین کرام! ہر انسان خوش رہنا چاہتا ہے اور اس کے لیے مختلف حلے کرتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے بھی اُس سے خوشی سے پیش آئیں۔ تو آئیے شروع کرتے ہیں اسی عنوان سے اور آپس میں باہم ملاقات

کے آداب قرآن کریم سے فرمانِ الٰہی اور حدیث شریف سے اپنے پیارے آقا
و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشادِ گرامی پڑھیں اور ان پر عمل کرنے کی
برکت سے یقیناً اللہ تعالیٰ آپس میں پیار و محبت عطا فرمائے گا جس سے انسان کو
خوشی حاصل ہوگی۔

وَإِذَا حُصِّيْتُم بِتَحْيَيَةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِمْهَا أَوْ رُدُّهَا طَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿النَّاسَ: ٨٦﴾

”اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظِ دعا سے تو سلام وو تم ایسے لفظ
سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دو ہر ادوہی لفظ بے شک اللہ
تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔“

تشريع:- تحية باب تفعيل کا مصدر ہے اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی
کی دعا دینا ہے۔ و اصل التحية الدعاء بالحياة (قرطبي) اور اس کا معنی
ملک بھی ہے التحيات لله میں یہی معنی ملحوظ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک
یہاں تحية سے مراد سلام کہنا ہے۔ سلام دینا حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
 وسلم کی پسندیدہ سنت ہے لیکن اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کا جواب دینے
کے قرآن حکیم نے دو طریقے سکھائے ہیں یا تو وہی الفاظ دو ہر ادوہ جن سے تمہیں
سلام کہا گیا ہے یا ایسے الفاظ کا اضافہ کرو جو محبت و تکریم پر دلالت کرتے ہوں۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو جواب میں و علیکم السلام
ورحمۃ اللہ کہو۔ اور اگر کوئی السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہے تو تم و علیکم السلام و رحمۃ اللہ
و برکاتہ سے جواب دو۔ باہمی محبت و پیار کے جذبات کو تروتازہ کرنے کا یہ بڑا، ہی

مؤثر طریقہ ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلیم کا ارشادِ گرامی ہے لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنون حتى تحابوا اولاً ادلكم على شيءٍ اذ اعلتموا تحابيتم افشووا السلام بينكم۔ ”جب تک ایمان نہیں لا وَگے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے تو ایمان نصیب نہ ہو گا۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس پر عمل کرو تو آپس میں محبت و پیار پیدا ہو جائے؟ (خود ہی فرمایا) ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا کرو۔ ”ذِنْيَا میں جتنے آدابِ ملاقات راجح ہیں سب کو دیکھو ملاقات کا وہ طریقہ جو آپ کو قرآن حکیم نے سکھایا ہے اس کا جواب نظر نہ آئے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اگر غیر مسلم سلام دے تو اس کو وہی الفاظ جواب میں دُہرا دو۔

مسئلہ:- جب اپنے گھروں میں داخل ہوا کرو تو اہل خانہ کو السلام علیکم کہا کرو، بہتر سواری والا مکتر سواری والے کو، سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے ہوئے کو، چھوٹے بڑوں کو اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔

”اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر کے ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے، اس لیے ان تمام باتوں سے سختی کے ساتھ روک دیا جو دلوں میں نفرت، حقارت، حسد اور عداوت کی تختم ریزی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا نداء اڑانا، ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنا، چغلی کھانا، ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرنا وغیرہ یہ سب باقی ایسی ہیں جن سے دل ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں، اس لیے اہل ایمان کو حکم

دیا کہ وہ ان چیزوں سے دور رہیں۔

انسانی معاشرے میں تعلقات کا کشیدہ ہو جانا قطعاً بعید از امکان نہیں۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے اور اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہو جائیں، تو دوسرے مسلمانوں کو خاموش تماشائی بننے کی اجازت نہیں، بلکہ انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے درمیان صلح کرادیں اور اپنا پورا اثر و رسوخ بھی استعمال کریں۔ پھر بھی اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس کی امداد کریں جو حق پر ہے۔“

قارئینِ کرام اب آپ کی خدمت میں سورۃ الحجرات کی چند آیات مبارکہ، ان کا ترجمہ اور تشریح پیش کرنے کی بسعادت حاصل کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ نیکس پناہ میں دُعا ہے کہ وہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا صدقہ ہمیں پڑھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

وَ إِنْ طَالَفُتُنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا
بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَعْثَتُ إِلَيْهِمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي
تَبْغِي حَتَّىٰ تَفْتَأِمَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتُ فَأَصْلِحُوا
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا لِإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

(الحجرات: 9)

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر)

لڑواں سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوث آئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف۔ پس اگر لوث آئے تو صلح کر ادواں کے درمیان عدل (والنصاف) سے اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔

تشریح: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بعثت سے پہلے جزیرہ عرب کی سر زمین فتنوں اور جنگ وجدل کی سر زمین تھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے بر سر پیکار تھا۔ ہر ہمسایہ دوسرے ہمسایہ کے درپے آزار تھا۔ کسی کی جان، مال اور آبر و محفوظ نہ تھی۔ اشهر حرام (حرمت والے مہینے) کے علاوہ سفر از حد خطرناک اور دشوار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی آمد سے نقشہ ہی بدل گیا۔ عداؤت و مخاصمت کی جگہ محبت و ایثار اور خلوص و مروت نے لے لی۔ قرآن کریم میں بے شمار آیتیں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آن گنت ارشادات عالیشان ہیں جن میں مسلمانوں کو متعدد ہے، آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے کا احترام اور حقوق کا پاس رکھنے کے تاکیدی احکامات ہیں اور ایسی باتوں کو ایمان و اسلام کے منافی قرار دیا گیا ہے جن کے باعث آپس میں نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔

چند احادیث پاک ملاحظہ ہوں۔

(۱) المُسْلِمُ أخو الْمُسْلِمِ لَا يُظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔

(2) وَاللَّهُ فِي عَوْنَ الْعَبْدُ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنَ أَخْيَهُ۔ اللَّهُ تَعَالَى أَپْنَے اس بندے کی مد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے مسلمان بھائی کی امداد و اعانت میں لگا رہے۔

(3) إِذَا دَعَا الْمُسْلِمُ لَا خَيْرٌ مِّنْ ظَهُورِ الْغَيْبِ قَالَ الْمَلَكُ آمِينٌ وَلَكَ مُثْلُهُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی دعا تیرے حق میں بھی مقبول ہو۔

(4) مِثْلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّمٍ وَتَرَاحِّهِمْ وَتَوَاصِلِهِمْ كَمِثْلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ إِذَا شُتُّكَى مِنْهُ عَضُُوٌ تَدَاعَى لِهِ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحَمْى وَالسَّهْرِ۔ کہ مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر حم کرنے میں، ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں ایسی ہے جیسا ایک جسم ہو۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں بتلا ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔

(5) الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبَنِيَانِ يَشْدُدُ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔ باس ہمہ انسانی معاشرہ میں باہمی شکر رنجی کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ نفسانی خواہشات، ذاتی طمع اور لالچ اور بسا اوقات غلط فہمیوں کے باعث جنگ و جدل کی نوبت آہی جاتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ اس آیت مبارکہ میں ان امور کو بڑے دلنشیں پیرا یہ

میں سمودیا گیا ہے۔

آیت کا ترجمہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے کلمات میں جو لطافتیں اور نزاکتیں ہیں ان پر نظر ڈال لیجیے۔ اس کے بعد تفصیلات کا ذکر ہو گا۔

امام رازی لکھتے ہیں۔ ”ان“ اشارۃ الی ندرۃ القتال۔ یعنی ان کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن و سنت نے مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی تعلیم دی ہے اس کے پیش نظر ایسا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے کہ فرزندانِ اسلام آپس میں لڑ پڑیں۔

طائفتان فرمایا فرقتن نہیں فرمایا کیونکہ طائفہ، فرقہ سے کم افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر جنگ کی نوبت آئی تو ساری امت یا اس کی اکثریت خانہ جنگی میں شریک نہیں ہو گی۔ ایک مختصر سارگروہ ہی راہِ اعتدال سے بھٹک سکتا ہے اور اسلام کے واضح احکامات کو پس پشت ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ ان طائفتان من المؤمنین فرمایا منکم نہیں فرمایا۔ اس میں بھی اس بات کی ترغیب دی جائی ہے کہ تم جو لڑاٹھائے، تلواریں بے نیام کیے ایک دوسرے پر ہلہ بولنے کی تیاریاں کر رہے ہو، ذرا دیکھو تو سہی تم کون ہو۔ تم تو مومن ہو، اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے غلام ہو، بھلا یہ ناشائستہ حرکت تمہیں زیب دیتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

نحو کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ ”ان“ اپنے فعل کے ساتھ مذکور ہو۔ یہاں ”ان“ اور اس کا فعل اقتتلوا کے درمیان طائفتان من المؤمنین کا ذکر کیا۔ یقتتلوا نہیں فرمایا۔ کیونکہ مصادر میں استمرار کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہاں بتایا

جارہا ہے کہ اگر کبھی کبھار جنگ وجدال کی نوبت آجائے تو یہ سلسلہ جاری نہیں رہتا۔ بلکہ اہلِ رُشد و صلاح فوراً مذاہلت کر کے اس فتنہ کو فروکر دیتے ہیں۔

اقتلووا میں طائفتان کے معنی کو ملاحظہ کر کھا گیا ہے اور جمع کی ضمیر لومٹائی گئی ہے بینہما میں لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے تثنیہ کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔

(تفسیر کبیر)

بغت، بَغْيٌ سے ہے۔ اس کا معنی ہے طلب العلو بغير حق یعنی کسی حق کے بغیر برتی کا خواہاں ہونا۔

اب ذرا آیت کے معانی و مطالب کی طرف توجہ فرمائیے۔

مسلمانوں میں جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بد قسمتی سے ایسا ہو تو پھر اس ناگوار صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں اس ارشادِ خداوندی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اس باہمی جنگ وجدل کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر صورت کے اپنے اپنے خصوصی احکام ہیں۔ سب سے پہلے جس امر پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے تو قطع نظر اس کے ک لڑنے والے کثیر التعداد ہیں یا مختصر سا گروہ ہے، یہ تصادم حکومت سے ہے یا ایک قبیلہ کا دوسرا قبیلہ سے یا ایک گروہ کا دوسرا گروہ سے، ان تمام صورتوں میں دوسرے مسلمانوں کو محض تماشائی بن کر رہنے کی اجازت نہیں، بلکہ انہیں اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے اس فتنہ کو فروکرنے کی ہر امکانی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر لڑائی دو خاندانوں یا رعایا کے دو گروہوں کے درمیان ہے تو ان کے درمیان مصالحت اور اصلاح احوال کی اولین ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے

کہ وہ اپنے اثر و اختیار سے کام لے کر صورتِ حال پر قابو پائے اور اگر ارباب حکومت اس میں دلچسپی نہ لیں یا معاملہ ان تک پہنچا، ہی نہ ہو تو پھر اہل محلہ یا علاقہ کے باشہ لوگوں کا فرض ہے کہ مصالحت کی مخلصانہ کوشش کریں۔

اگر ان کی مساعی صلح کرانے میں کامیاب ہو جائیں تو فبہا، بصورتِ دیگر تمہیں یہ چاہیے کہ دیکھو دنوں میں سے غلطی پر کون ہے، زیادتی اور تعدی کا ارتکاب کس نے کیا ہے۔ جو مظلوم اور ستم رسیدہ ہو اُس کی امداد کرو۔ اپنا سارا وزن اُس کے پلڑے میں ڈال دو۔ مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے جو وسائل تمہارے پاس ہوں ان کو بروئے کار لاو۔ یہاں تک کہ ظالم گھٹنے ٹیک دے اور حقدار کو اس کا حق مل جائے۔ تمہارا غیر جانبدار بن کر مظلوم کو پہنچتے ہوئے دیکھتے رہنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر تم غیر جانبداری کی روشن اختیار کرو گے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ تم ظلم و ستم کو پھلنے پھو لئے کا موقع دے رہے ہو۔ تم اتنے سُنگدل اور بے رحم ہو کہ مظلوم کی آہ و فغا سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ اسلام اس قسم کی غیر جانبداری کا قائل نہیں اور نہ ہی اپنے ماننے والوں کو ایسی بزدی کی اجازت دیتا ہے۔ اس وقت قرآنِ پاک کا واضح ارشاد ہے وقاتلوا الٰتى تبعى یعنی جوش و فساد برپا کر رہا ہو اس کی راہ میں چٹان بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی گروہ حکومت سے متصادم ہوتا ہے، اگر یہ محض لوث مارا اور قتل و غارت کے لیے ہی میدان میں آیا ہے تو یہ لوگ باغی قرار نہ دیے جائیں گے بلکہ ان کے ساتھ عام مجرموں کا بر تاؤ کیا جائے گا اور انہیں ان کے جرائم کے مطابق سزا دی جائے گی اور اگر گروہ گروہ حکومت کا تنخواۃ اللہنا چاہتا

ہے اور ان کے ساتھ اتنی جمیعت اور قوت ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ حکومت کے ساتھ مل کر ان سے جنگ کریں اور ان کا قلع قمع کر دیں، لیکن ان کے ساتھ لڑائی شروع کرنے سے پہلے ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر آمادہ بغاوت ہوئے ہیں تو ان کی غلط فہمی دُور کی جائے گی۔ اگر وہ کسی شبہ میں بتلا ہیں تو ان کے ان شبہات کے ازالہ کی بڑی سنجیدگی سے کوشش کی جائے گی۔ جس طرح خارجیوں سے جنگ کرنے سے پہلے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے پاس بھیجا تھا اور آپ کی مسامعی جمیلہ سے بہت سے لوگ اپنی روشن ترک کر کے لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ اگر افہام و تفہیم کی کوششیں بار آور نہ ہوں تو پھر ان کے ساتھ جنگ لازمی ہو جائے گی اور جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دیں اور اپنی با غیانہ سرگرمیوں سے دست کش نہ ہو جائیں، اُس وقت تک ان کے ساتھ جنگ جاری رہے گی۔ ان سے کسی نرمی کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ ہار مان لیں اور ہتھیار ڈال دیں تو اس کے بعد جو سلوک ان سے کیا جائے گا، وہ اس حدیث شریف میں مذکور ہے جو امام ابو بکر الجصاص نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں نقل کی ہے۔

روى كوثير ابن حكيم عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بن أم عبد كيف حكم الله في من بغى من هذه الامة قال الله ورسوله اعلم قال لا يجهز على جريحتها ولا يقتل اسييرها ولا يطلب هاربها۔

حضرت ابن عمر رضي الله تعالى عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ابن مسعود رضي الله تعالى عنہما سے پوچھا کہ اے ام عبید کے فرزند! اس امت میں سے اگر کوئی بغاوت کرے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا اس باغی گروہ کے زخمی کو جان سے نہیں مارا جائے گا۔ ان سے جو قید ہوا اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور میدانِ جنگ سے جو بھاگ نکلے اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔

باغیوں کے احکام کی تفصیل ہمیں سیدنا علی المرتضی رضی الله تعالیٰ عنہ کے طریقہ کار سے ملتی ہے اور فقہاء نے اکثر کا استنباط آپ، ہی کے اسوہ کریمہ سے کیا ہے۔ جتنگ جمل میں آپ فتح یا ب ہوئے اور مخالف گروہ کو شکست ہوئی تو حضرت نے فوراً اعلان فرمادیا لاتقتلوا اسیراً ولا تجهزو اعلى جريحا ومن القى السلاح فهو آمن۔ کسی قیدی کو مت قتل کرو، کسی زخمی کو مت جان سے مارو، جو ہتھیار پھینک دے اس کو امان ہے۔

اگر حاکم فاسق و فاجر ہے، احکامِ اسلامیہ کی کھلم کھلانا فرمانی کرتا ہے، اس کے خلاف صلحاء کی کوئی جماعت علم بغاوت بلند کرے جن کا مقصد حکومت کے ظلم و ستم کا خاتمه اور عدل و انصاف بحال کرنا ہو تو ان کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار خلیفہ بن جائے اور اس کی وجہ سے ملک میں امن و امان قائم ہو جائے تو اس کے خلاف بغاوت

کرنا، خواہ وہ ظالم اور فاسق ہی ہو، جائز نہیں۔ کیونکہ اس بغاوت سے اصلاح کی بجائے فساد کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس بغاوت سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھے گی، سارا ملک اس کی لپیٹ میں آجائے گا، قتل و غارت کا بازار گرم ہو گا، صدھا بے گناہ مارے جائیں گے، آباد بستیاں ویران ہو جائیں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ لوگ اس فرماں روای کی امداد کریں تاکہ ملک کا وجود ہی خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

لیکن بہت سے جلیل القدر علماء کا یہ فتویٰ ہے اور حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس گروہ کے سرخیل ہیں کہ ظالم حکمران کے خلاف اگر صالحین کا کوئی گروہ اٹھ کھڑا ہو تو انکی امداد کی جائے گی تاکہ یہ کامیاب ہو کہ اس ظالم اور فاسق کو مند اقتدار سے ہٹا سکیں اور ملک میں پھر از سرِ نو احکام شرعیہ کا نفاذ کر سکیں۔ باغیوں کے بارے میں چند اہم مسائل ذہن نشین کر لیں۔

ان کے قیدی اگر یقین دلادیں کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔

اشائے جنگ میں باغیوں نے جو جانی اور مالی نقصان کیا ہو گا، ہتھیار ڈالنے کے بعد ان سے اس کا کوئی قصاص یا تاوان وصول نہیں کیا جائے گا۔

باغیوں نے اگر کسی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ، عشر اور دیگر محصولات کی رقم وصول کرتے رہے، اگر وہ علاقہ پھر اسلامی حکومت کے تسلط میں آجائے تو وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ وغیرہ کا دوبارہ مطالبة نہیں کیا جائے گا۔

اپنے مقبوضہ علاقوں میں باغیوں نے اگر عدالتیں قائم کیں اور وہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے رہے۔ اگر قاضی عادل تھا اور اس نے شرعی قواعد کے مطابق فیصلے صادر کیے، تو وہ برقرارر ہیں گے اور اگر اس نے دھاندی کی ہوگی اور احکامِ شرعیہ کی صریح خلاف ورزی کا مرتكب ہوا ہوگا تو اسلامی عدالت میں وہ مقدمات دوبارہ دائرہ کیے جائیں گے اور پہلے فیصلے کا عدم قرار پائیں گے۔

بماہی جنگِ وجدال سے کوئی فریق دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت منبر پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ پھر فرمایا ان ابني هذا سید ولعل اللہ تعالیٰ ان یصلح بہ بین فتنین عظیمتین من المسلمين۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور آپ کے زمانہ خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو جنگ کا سلسلہ جاری تھا وہ ختم ہو گیا اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح ہو گئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جماعت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مسلمان قرار دیا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں نے آپ

سے جمل اپر صفين کی جنگیں لڑی ہیں کیا وہ مشرک ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا مِنَ الشِّرْكِ فَرُوا۔ ہرگز نہیں! وہ تو شرک سے بھاگ کر آئے تھے۔ پھر کہا گیا کیا منافق ہو گئے؟ فرمایا ہرگز نہیں! منافق تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ (اور یہ لوگ تو ذکرِ الہی دن رات کرتے تھے) پھر پوچھا گیا اگر وہ مشرک اور منافق نہیں تو کیا ہیں؟ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اخواننا بغوا علینا۔ یہ ہمارے اسلامی بھائی ہیں، لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ باغیوں کا مال، مالِ غنیمت متصور نہیں ہوگا۔ جنگ کے دوران میں اگر ان کا اسلحہ استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو استعمال کی اجازت ہے۔

یہ چند احکام ہیں جنہیں اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیا گیا ہے۔
تفصیل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

(اور انصاف کرو)

یہ جملہ بھی غور طلب ہے۔ یعنی اگر صلح کراتے وقت عدل و انصاف سے کام نہیں لیا جائے گا، ظلم اور بے انصافی کی بنیاد پر صلح کرائی جائے گی تو وہ صلح پاسیدار ثابت نہ ہوگی۔ مظلوم فریق مطمئن نہیں ہوگا اور اپنی حق رسی کے لیے موقع کا منتظر ہوگا۔ جب حالات اجازت دیں گے تو پھر فتنہ کی آگ بھڑکادے گا۔ اس لیے اسلام کو ایسی صلح سے کوئی دلچسپی نہیں جس کی بنیاد ظلم پر ہو اور جونا پاسیدار ہو۔

قارئین کرام! یہ دو گروہوں کے درمیان معاملہ تھا۔ اس سے اگلی آیت مبارکہ میں ہے کہ اگر دو بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف، رنجش یا جھگڑا ہے تو دوسرے اہل ایمان کو کیا کردار ادا کرنا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَاصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُرَدِّحُمُونَ ﴿١٠﴾ (الحجرات: 10)

”بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کر ادوا پنے دو بھائیوں کے درمیان۔ اور ڈرتے رہا کرواللہ تعالیٰ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔“

تشریح:- خانہ جنگلی، باہمی قبال وجدال اور ان کے بارے میں ذکر ہو چکا۔ اب پھر باہمی محبت و پیار اور الفت وایثار کے جذبات کو بیدار کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اہل ایمان تو سگے بھائی ہیں۔ ان کا نفع اور نقصان، انکی خوشی اور عنی، انکی فتح اور شکست سب ایک ہیں۔ یہ تھوڑی سی رنجش جو پیدا ہو گئی ہے بالکل عارضی نوعیت کی ہے۔ ان کے بھی خواہوں پر فرض ہے کہ مداخلت کر کے ان کے درمیان صلح کرادیں تاکہ وہ پہلے کی طرح پھر شیر و شکر ہو جائیں۔

اخویکم کے لفظ میں کیا لطف ہے کہ یہ آپس میں لڑنے والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تمہارے بھی بھائی ہیں اجنبیت اور بے گانگی کا نام و نشان تک نہیں، اس لیے تم بے تعلق نہ بنے رہو اور ان کا تماشانہ دیکھتے رہو فوری مداخلت کرو اور ان میں صلح کر ادو۔

جب دو طاقت ورگروہوں کے دست و گریباں ہونے کا وقت تھا اس وقت بھی حکم دیا کہ ان میں صلح کر ادو۔ یہاں جب دو فرد آپس میں گھنٹم گتھا ہیں تو بھی حکم دیا کہ ان میں صلح کر ادو، لیکن پہلے صلح کے بعد واتقواللہ نہیں فرمایا گیا اور یہاں امر صلح کے بعد واتقواللہ کا اضافہ کیا گیا کیونکہ جب فتنہ عام ہو تو ہر شخص کو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں میں بھی اس کے شعلوں کی لپیٹ میں نہ

آجاؤں، ہی خواہی کا جذبہ نہ بھی ہو تو انسان اپنی سلامتی کے لیے ہی اس آگ کو بُجھانے کے درپے ہو جاتا ہے، لیکن جب معاملہ صرف دوآدمیوں تک محدود ہو تو اس کو اپنے زد میں آنے کا اندر یشہ نہیں ہوتا اس لیے ان حالات میں لوگ عام طور پر بے پرواہی کرتے ہیں اور مصالحت کے لیے کوشش نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح مسلمانوں کا اجتماعی امن و سکون اہم ہے اسی طرح چند افراد کی خوشی اور سلامتی بھی اسے از حد عزیز ہے۔ اس لیے یہاں اصلاحوں کے حکم پر واتقواللہ کا اضافہ بھی کر دیا۔ یعنی خدا سے ڈرو اور ان دو بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرا دوتا کہ ان کو بھی امن و امان نصیب ہو اور ان کے گھروں میں بھی آسودگی حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تم اُسی وقت مستحق ہو سکتے ہو جب امت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایک دوسرے سے محبت اور پیار کا مظاہرہ کرے۔ ایسی دل نشینی، ایسی شرینی، ایسی مشھاس صرف اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہی پائی جاسکتی ہے۔ قرآن حکیم کا یہ وہ اعجاز ہے جس نے فصحائے عرب کو دم بخود کر دیا تھا۔ یہاں صاحب جو امع المکالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی سماعت فرمائیے:-

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَخْبَرَكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ دَرْجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ۔ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اصْلَحْ ذَاتَ الْبَيْنِ وَفَسَادَذَاتَ أَبْيَنَ الْحَالَقَهِ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے عمل پر آگاہ نہ کروں جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ضرور مہربانی فرمائیے۔ فرمایا دوآمیوں کے درمیان صلح کر دینا۔ ساتھ ہی بتایا کہ دوآمیوں کے درمیان فساد کرانا ایمان کو مونڈ کر رکھ دیتا ہے۔

قارئین کرام! آئیے اب اسی سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۱ کی تلاوت، ترجمہ اور تشریح پڑھنے کی سعادت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کی روشن تعلیمات کا نوراپنی سیرتوں اور کرداروں میں لا میں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخُرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا أَقْنَهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تُدْبِرُوا أَنفُسَكُمْ وَ لَا تَشَبُّهُوْا بِالْأَلْقَابِ ۚ إِنَّمَا لِإِسْمِ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

”اے ایمان والو! نہ تم خراڑایا کرے مردوں کی جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگا وہ ایک دوسرے پر اور نہ بُرے القاب سے کسی کو بلا و کتنا ہی بُرانام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو لوگ بازنہیں آئیں گے (اس روشن سے) تو وہی بے انصاف ہیں۔“

تشریح:- پہلے ان احکام کا ذکر ہوا جن کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب مسلمان ایک دوسرے کے خلاف صفیں آراستہ کر لیں اور جنگ و قتل شروع ہو جائے۔ لیکن اسلام اصلاح احوال کی صرف اسی صورت کا قائل نہیں کہ پہلے حالات کو بگڑنے دیا جائے۔ مختلف عوامل کو کشیدگی پیدا کرنے اور جذبات کو مشتعل کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے جب عداوت کے شعلے بھڑ کنے لگیں اور خون کی ندیاں بہنے لگیں تو آگے بڑھ کر اس آگ کو بُجھانے کی کامیاب یانا کام کوشش کی جائے۔ اسلام اس سے بھی زیادہ ان مُحرکات کی نیخ کنی پر توجہ دیتا ہے اور ان اسبابِ عمل کے سامنے بند باندھتا ہے جو اس صورتِ حال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں مسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے بڑی سختی سے روکا جا رہا ہے جن کے باعث اسلامی معاشرہ کا امن و سکون بر باد ہوتا ہے، محبت و پیار کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور خون خرابہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ دیا کہ اے یمان والو! ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔ مذاق اسی کا اڑایا جاتا ہے جس کی عزت اور احترام دل میں نہ ہو۔ جب آپ کسی کا مذاق اڑاتے ہیں تو گویا آپ اس چیز کا اعلان کر رہے ہو تے ہیں کہ اس شخص کی میرے دل میں کوئی عزت نہیں۔ جب آپ اس کی عزت نہیں کرتے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ آپ کا احترام کرے۔ جب دلوں سے ایک دوسرے کی عزت اور احترام کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے تو انسان عداوت و دشمنی کی گہری کھڈ کی طرف لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ کوئی رکاوٹ ایسی نہیں رہتی جو اسے اپنے انجام سے دوچار ہونے سے روک

سکے۔

استہزاء کی کئی صورتیں ہیں۔

زبان سے مذاق کرنا۔ نقلیں اتار کر اس کا منہ چڑانا۔ اس کے لباس یا گفتار پر ہنسنا سب ممنوع ہیں۔ یوں تو شریعت کے سارے احکام عموماً مردوزن سب کے لیے ہوتے ہیں اور بطور تغییب صیغہ مذکر کا، ہی استعمال ہوتا ہے لیکن جو خرابی عورتوں میں نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے اس کو روکنے کے لیے عورتوں کو الگ مخاطب بنایا جاتا ہے۔ یہاں بھی عورتیں چونکہ دوسروں کا مذاق اڑانے اور ان پر پھیلتی گئے میں بڑی تیز رفتار ہوتی ہیں، اس لیے یہاں اس نازیبا حرکت سے باز رہنے کا الگ حکم دیا اور اس کی وجہ بھی بتا دی کہ جن کو تم حقیر سمجھتے ہو اور ان کا مذاق اڑاتے ہو، ممکن ہے بارگاہِ الٰہی میں ان کی شان تم سے کہیں زیادہ بلند ہو۔

اس آیت مبارکہ میں دوسرا حکم یہ دیا کہ لا تلمزو والنفسکم۔ لفظ لمز کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ الل Miz: العیب فی الوجه والاصل الاشارة بالعين والرأس والشفة مع کلام حفى۔ کسی کے منه پر اس کی عیب جوئی کرنے کو الل Miz کہتے ہیں۔ اصل میں آنکھ، سر کے اشارے یا زیرِ لب آہستہ سے کسی کی عیب چینی کی جائے تو کہتے ہیں لمَّا فلان۔ لا تلمزو فرمائے کہ کسی طرح بھی تمہیں یہ اجازت نہیں کہ اپنے بھائی کے عیب گنو اور اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو اچھا لئے رہو۔ علامہ راغب لکھتے ہیں الل Miz تبع المعاَب۔ کسی کی کمزوریوں اور عیوب کا کھونج لگاتے رہنا۔ ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کا عیب ظاہر ہو۔ اگر کوئی

شخص اس کی خامیوں کا بر ملا اظہار کرتا ہے اور اس کے عیوب کے کھوج میں لگا رہتا ہے تو اس کا کبیدہ خاطر ہونا ایک قدرتی امر ہے اور قرآن حکیم اس کی اجازت نہیں دیتا قرآن حکیم کا اسلوب ملاحظہ ہو۔ یہ نہیں کہا کہ تم ایک دوسرے کی عیوب چینی نہ کیا کرو بلکہ فرمایا لا تلمِز و انفسکم۔ یعنی تم اپنی عیوب جوئی نہ کیا کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جس کی برا بیان کرتے تم نہیں تھکتے وہ کوئی غیر تو نہیں، تمہارا بھائی ہے اس کی بدنامی تمہاری بدنامی ہے۔ اس کی فضیحت ہوئی تو شرمندہ تم ہو گے۔ اس کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ جب تم کسی کی پرده دری کرو گے تو وہ بھی تمہارے عیوب و نقائص کو طشت از بام کرنے گا۔ تم اس کی عیوب جوئی نہ کرتے تو وہ تمہاری نہ کرتا، اب تمہیں جو خجالت ہو رہی ہے یہ تمہارے اپنے کرتوتوں کا شر ہے۔ اگر اپنی عزت کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو کسی کی عزت پر ہاتھ مبتداً الو۔

اس آیت مبارکہ میں تیرا حکم یہ دیا کہ لا تนาذُوا بِالْقَابِ۔ لفظ تناذُوا کی تشریع کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ النبز : اللقب۔
التناذُ: التداعى باللقب وهو يكثر فيما كان ذمًا۔ (لسان العرب) یعنی کسی کو کسی ایسے لقب سے ملقب کرنے کو لغت میں نبز کہتے ہیں عموماً اس کا استعمال اس لقب کے لیے ہوتا ہے جس میں کسی کی مذمت ہو اور جسے وہ شخص ناپسند کرے۔ کسی اندھے کو اندھا اور کانے کو کانا کہنا بھی جائز نہیں۔ ہمیشہ ایسے اسماء اور القاب سے دوسرے کو بُلا وَ جس سے سُننے والا خوش ہوتا ہے۔

الله تعالیٰ بڑے ہی پیارے انداز سے اپنے بندوں کو تنبیہہ فرمارہا ہے کہ تم اب میرے ہو چکے ہو، تمہیں اب ایسی کوئی نازیبا حرکت نہیں کرنی چاہیے

جس کی وجہ سے تمہیں بدنام اور فاسق کہا جائے۔ اگر تم اسلام قبول نہ کرتے، میرے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر ایمان نہ لاتے اور شتر بے مہار بنے من مانیاں کرتے رہتے تو تم سے کسی کوشکایت نہ ہوتی۔ اب تم مُشرف بے اسلام ہو چکے ہو۔ لوگ بجا طور پر تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم خیر و صلاح کا عملی نمونہ پیش کرتے رہو گے، نیکی اور پارسائی تمہارا شعار ہو گا۔ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کہلا کر اگر تم فسق و فجور سے اپنا دامن نہیں بچاتے تو بڑی بے حیائی اور افسوس کی بات ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

گرنہ داری از محمد رنگ و بو از زبان خود میالا نامِ او
”یعنی اگر تمہاری سیرت اور کردار اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے رنگ و بو سے بہرہ ورنہیں تو تمہیں قطعاً زیب نہیں دیتا کہ اپنی ناپاک زبان سے اُن کا پاک نام لو۔“

اس آیتِ مبارکہ کا اختتام کرتے ہوئے فرمایا جو شخص ان ناشائستہ حرکات سے تائب نہیں ہوتا وہ ظالم ہے۔ آیت کے اس جملہ سے فقہاءِ کرام نے ہتکِ عزت کا اسلامی قانون اخذ کیا ہے۔ کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو نصِ قرآنی کے مطابق اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کسی کے حق میں بُرے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف اسلامی عدالت میں ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے اور قاضی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے شخص پر اس کے مناسب حال تعزیر لگائے۔ روح البیان میں وہ الفاظ تفصیل سے مرقوم ہیں جن کے باعث تعزیر لگ سکتی ہے۔ ان میں خبیث، محنث

اور پلید کے الفاظ بھی ہیں جنہیں ہمارے ہاں بڑی بے پرواٹی سے استعمال کیا جاتا ہے۔

قارئین کرام! آئیے اسی سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 12 کی تلاوت کریں اور اس کا ترجمہ اور تشریح پڑھیں اور اس کی روشنی میں اپنی سیرتوں کا جائزہ لیں کہ ہم کس قدر فرمان باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہیں۔

” میں بصد ادب و احترام ان اہل علم جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک خاص حصہ خالصتاً دینی علم حاصل کرنے کے لیے صرف کیا، کی خدمت میں عرض گزار ہوں کہ وہ اپنے روزمرہ کے عمل پر ضرور نظر ڈالیں اور اپنی عاقبت کی فکر کریں، ”

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظُّنُونِ إِنَّ بَعْضَ
الظُّنُونَ إِثْمٌ وَ لَا تَجَسَّسُوا وَ لَا يَغْتَبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَهُمْ أَخْيُهُ مَيْتًا فَكِرْهُتُمُوهُ
وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ (الحجرات: 12)

” اے ایمان والو! دُور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاؤسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو۔ کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ ”

تشریح:- ابھی مسلم معاشرہ کو ہر قسم کی شکر رنجی سے محفوظ رکھنے کیلئے جو

ہدایات دی جا رہی تھیں ان کا سلسلہ اس آیت مبارکہ میں بھی جاری ہے۔ فرمایا
بکثرت ظن و گمان کرنے سے اجتناب کیا کرو۔ کیونکہ بعض ظن گناہ ہوتے
ہیں۔ اگر تم ظن و گمان کے شیدائی بن جاؤ تو ہو سکتا ہے تم ایسے گمان بھی کرنے لگو
جو سراسر گناہ ہیں۔ ان کلمات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں
روکا اور نہ ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ظن
جائز ہیں۔ اس لیے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں۔ واجب،
مستحب، مباح اور ممنوع۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خُسن ظن کرنا واجب ہے۔ حضرت
جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مردی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا لا یموقن احد کم الا و هو یحسن
الظن بالله عز و جل۔ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ
تعالیٰ کے ساتھ خُسن ظن رکھتا ہو۔ دوسرا ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
ہے۔ یقول اللہ انا عند ظن عبدي بی فلیظن ماشاء کہ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا
ہے اب اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔

مباح کی مثال:- مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو خُسن ظن کرنا
مستحب ہے۔

مباح کی مثال:- ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں اس کے متعلق سُوءِ ظن
کرنا مباح ہے، لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں، اس وقت تک محض ظن
کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔

منوع کی مثال:- اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حدیث پاک ہے اذ اظنتم فلا تحققو۔ یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔ شریعت میں نصوص کے خلاف ظن و تخيین سے کام لینا منوع ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ اور اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ بعد میں فلا تجسسوا فرمایا ہے، کیونکہ جب کسی پر تہمت لگتی ہے تو طبیعت چاہتی ہے کہ اس کا سراغ لگایا جائے اور صحیح حالات پر آگاہی حاصل کی جائے۔

کسی مسلمان کے عیبوں کا سراغ لگانا اور اس کے پوشیدہ حالات کو کریدنا منوع ہے اس طرح اس کی پرده دری ہوگی، حالانکہ ہمیں پرده پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہے من ستر مسلمیا سترہ اللہ یوم القيامة۔ جو اس دنیا میں کسی مسلمان کی پرده پوشی کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پرده پوشی فرمائے گا۔ ابو بردہ الاسلامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا معاشر من امن بلسانہ ولم یدخل الا یمان قلبہ لا تغتابو المسلمین ولا تتبعوا عوراتہم فان من اتبع عوراتہم یتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ فیض ضحہ فی بیته۔ یعنی اے وہ گروہ جوزبان سے تو ایمان لایا ہے لیکن ایمان اس کے دل میں ابھی پختہ نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت مت کیا کرو۔ ان کی پوشیدہ باتوں کا سراغ مت لگایا کرو۔ جو مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں

کا پیچھا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مخفی باتوں کا پیچھا کرتا ہے اور جس کی مخفی باتوں کا پیچھا اللہ تعالیٰ کرے تو وہ اس کو اپنے گھر میں رُسوَا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ارباب حکومت کو بھی بلا وجہ لوگوں کے مخفی رازوں پر آگاہی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنًا۔ انک اں اتبعت عورات الناس افسد تھم او کدت ان تفسد تھم۔ یعنی اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتیں جاننے کے درپے ہو گے تو تم انہیں خراب کر کے چھوڑو گے۔

انسان کی پرائیویٹ زندگی کا اسلام میں جس قدر احترام ہے اس کا اندازہ آپ اس مشہور تاریخی واقعہ سے بآسانی لگاسکتے ہیں جو خراطی نے ثور کندی کے واسطے سے مکار م اخلاق میں نقل کیا ہے۔ ایک رات حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر سے آپ کو ایک شخص کے گانے کی آواز آئی، دیوار پھاند کر آپ اندر داخل ہو گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہے اس کے پاس ایک عورت بیٹھی ہے اور قریب ہی شراب رکھی ہے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ سے بے قابو ہو گئے اور فرمایا یا عدو اللہ اظنتت ان اللہ یسترك وانت على معصية۔ اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! کیا تجھے گمان تھا کہ تو ایسی نافرمانی بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تیری پر دہ پوشی بھی کرے گا۔ اس شخص نے کہا امیر المؤمنین، عجلت سے کام نہ لیں، اگر میں نے

اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین نافرمانیاں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَجَسِّسُوا کسی کی جاسوسی نہ کیا کرو، آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا کرو، آپ دیوار پھاند کر داخل ہوئے ہیں۔ تیسرا ارشادِ خداوندی ہے۔ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بِيُؤْتَمِ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۔ داخل ہونے سے پہلے اہلِ خانہ سے اجازت لو، اور آپ میری اجازت کے بغیر اندر آگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں اب تم کو معاف کر دوں تو کیا تم آئندہ ان جرائم کا ارتکاب نہ کرو گے۔ اس نے جواب دیا جی ہاں اس کے بعد ایسا نہیں کروں گا۔

البته اگر کسی کی سرگرمیاں ملک و ملت کے خلاف ہوں، وہ دشمن سے سازباز کر رہے ہوں یا کسی کو قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہوں تو ایسے لوگوں کے احوال کی جانچ پڑتاں کرنا مباح ہے۔

لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ط۔ ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو غیبت کی تعریف خود زبانِ رسالت نے بیان فرمائی ہے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دریافت کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ذکر ک بسایکرہ۔ اپنے بھائی کا ایسا ذکر جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کی گئی اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہو تو بھی اس کا ذکر غیبت ہوگی، فرمایا اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے اور تو اس کا ذکر کرے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر ایسی بات کا ذکر کرے

جو اس میں نہیں پائی جاتی تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔

قرآنِ کریم نے لوگوں کو غیبت سے تغیر کرنے کے لیے ایک ایسی تشبیہ دی ہے کہ جس کو سن کر کوئی سلیم الطبع غیبت کی طرف راغب نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کیا کوئی شخص انسانی گوشت کھانا پسند کرے گا اور انسان بھی وہ جو مرد ہو اور مردہ بھی وہ جو اس کا اپنا بھائی ہو۔ اسی چیز کو ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک اور انداز سے بیان فرمایا کہ جب ماعز نے اعترافِ زنا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے سنا کہ دو آدمی آپس میں اس طرح کی گفتگو کر رہے ہیں کہ اس شخص کی طرف دیکھو جس کا گناہ اللہ تعالیٰ نے ڈھانپ دیا تھا مگر اس نے خود انکشاف کیا، پھر اسے سنگار کیا گیا جس طرح سُکتے کو کیا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یہ بات سُنی اور خاموش رہے۔ پھر کچھ وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے، فرمایا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں؟ ان دونوں نے عرض کیا ہم حاضر ہیں۔ فرمایا اُترو اور اس مردار گدھے کو کھاؤ۔ وہ کہنے لگے اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اس مردار کو کون کھاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا فما نلت تمام من عرض اخیکما اشد من الا کل منه والذی نفسی بیدلا انه الا ن لفی انهار الجنة یَنْغَمِسُ فیهَا۔ یعنی تم مردہ گدھا کھانے سے نفرت کرتے ہو لیکن اپنے بھائی کی عزت پر جو تم نے جملہ کیا ہے وہ مردار کھانے سے زیادہ بدتر ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت

میں میری جان ہے، وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہار ہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیبت کبیرہ گناہوں سے ہے۔ اگر کوئی شخص غیبت کر بیٹھے تو توبہ کرے۔ اگر ہو سکے تو جس کی غیبت اس نے کی ہے اُس سے بخشوائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مردی ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت تم نے کی ہے اس کے لیے بکثرت مغفرت کی ڈعا مانگو۔

لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جبکہ غیبت مباح ہو جاتی ہے۔ وہ فاسق جو اعلانیہ فتن و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اس کے عیوب کا ذکر غیبت نہیں، حدیث شریف میں ہے۔ من القی جلباب الحیاء فلا غيبة له۔ جو شخص حیاء کی چادر اتار کر پھینک دے اُس کی کوئی غیبت نہیں۔ دوسرا ارشاد ہے اذکروا الفاجر بِمَا فِيهِ کَمْ يَحْذِرُهُ النَّاسُ۔ فاجر کی خرابیاں بیان کیا کروتا کہ لوگ اس سے بچتے تر ہیں۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی غیبت ممنوع ہے جو اپنی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اسی طرح بد عقیدہ عالم اور ظالم بادشاہ کے عیوب بیان کرنا بھی غیبت نہیں۔ اگر کوئی شخص قاضی کے پاس دعویٰ کرتا ہے اور اس ضمن میں اپنے مخالف کے عیوب بیان کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ہندہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ ان ابا سفیان رجل شحیح لا یعطینی ما یکفینی انا و ولدی فاحد من غیر علمہ۔ کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا نہیں دیتا جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزر ہو سکے کیا میں اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہوں۔ حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا نعم فخذی ہاں لے سکتی ہو۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے لصاحب الحق مقال۔ جس کا حق ہوا سے بات کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی رشتہ کرنے کے بارے مشورہ طلب کرے تو اسے صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا جائز ہے۔ فاطمہ بنت قیس کو جب اس کے خاوند نے طلاق دے دی تو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو جہنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا، وہ مشورہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ فاما معاویۃ فصل علوک فلامال لہ واما ابو جہنم فلایدع عصاہ عن عاتقه۔ یعنی معاویہ مفلس اور قلاش ہے اور ابو جہنم اپنے کندے سے عصاؤ و رہیں کرتا۔ یہ اس لیے تھا کہ فاطمہ بنت قیس کو دھوکا نہ ہو۔

قارئینِ کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیبت جیسے بُرے عمل سے اہلِ اسلام کو باز رہنے کا کس قدر سخت حکم دیا ہوا ہے اس لیے آپ کی خدمت میں پھر عرض گزار ہوں کہ آپ اس آیتِ مبارکہ کو بار بار پڑھیں اور اپنے روزمرہ کے اعمال کا جائزہ لیں۔ ہم مسلمانوں میں یہ بیماری عام پھیل چکی ہے اس لیے اسکا علاج بہت ضروری ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے احکامات پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

اب آئیے اسی سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ اور اُس کا ترجمہ اور تشریع پڑھیں اور ذرا غور کریں کہ ہم نے اسلام کو دین کے طور پر کتنا اپنار کھا ہے اور اس دین کا کلمہ پڑھنے کے باوجود ”مشرکانہ نظریات“ یعنی ذات پات کے بتاؤں کو ہم

نے کس قدر سینے سے لگا رکھا ہے اور ان کو کسی قیمت پر اپنے سے جدا کرنے کے لیے تیار نہیں،۔

حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّنْ ذَرَّةٍ فَإِذَا هُنَّ شَعُوبًا وَّ
قَبَآءِلَ لِتَعَارَفُوا طَإِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتُقْسِمُ طَإِنَّ اللَّهَ
عَلَيْهِمْ خَبِيرٌ^{۱۳} (الحجرات: 13)

”اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنادیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقدی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔“

تشريع:- دُورِ جاہلیت کے عرب دیگر گوناگوں خرایوں کے ساتھ ساتھ تفاخر کی بیماری میں بُری طرح بتلا تھے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے برتر، اشرف و اعلیٰ خیال کرتے۔ ان سب میں قریش کے فخر و مباہات کی شان، ہی الگ تھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور اس کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حضرت بلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ تعمیل ارشاد میں بلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دینی شروع کی تو شرفائے قریش پر کوہ الْمُثُوْر پڑا۔ ان کے دلی ہزار و ملاں کا اندازہ اس مکالمہ سے لگائیے جو ان میں ہوا۔

عَتَابَ ابْنِ أَسِيدٍ بِوَلَا اللَّهُ كَا شَكَرٌ ہے میرا باب پ یہ روح فرسا منظر دیکھنے

سے پہلے مر گیا۔ حارث ابن ہشام کہنے لگا کہ اس کا لے کو بے کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم (فداہ ابی وامی) کو اور کوئی موذن نہیں ملا۔ سہیل ابن عمر و نے کہا جیسے اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا، ایسا نہ ہو کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ تعالیٰ اس کو آگاہ کر دے۔ اسی وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور ان کے اس زعمِ باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ رُوئے زمین پر جو متمدن اور شاستہ قومیں آباد تھیں وہ سب کی سب کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھیں۔ کہیں اپنی نسل اور قومیت پر فخر کیا جاتا تھا کہیں انکے وطن کی سرز میں ان کی بڑائی اور برتری کا باعث تھی، کہیں زبان اور رنگ وجہِ افتخار بنے ہوئے تھے۔ اس فاسد نظریہ نے مختلف قوموں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر قوم اپنی نسلی شرافت اور اپنے خطہ زمین کی عظمت کے باعث اپنا یہ حق سمجھتی تھی کہ دوسرے ممالک کو تاخت و تاراج کرے، ان کی دولت کو لوٹے، ان کے باشندوں کو اپناغلام بنائے اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ اس شر انگیز نظریہ کے باعث جنگ و جدال کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا اور شرفِ انسانی کی قباتہذیب و تمدن کے علمبرداروں کے ہاتھوں تار تار ہوتی رہی۔ یہ گمراہیاں صرف اس زمانہ میں ہی موجود نہ تھیں جنہیں ازمنہ مظلومہ کہا جاتا ہے بلکہ آج بھی انکی ہلاکت آفرینیوں سے انسانیت کی جیسی شرم کے مارے عرق آلو د ہوتی رہتی ہے۔ بھارت، جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعویٰ ہے وہاں آج بھی طبقاتی امتیازات جوں کے توں

قائم ہیں۔ بھارت کے طول و عرض میں اس اکیسویں صدی میں بھی اچھوت نہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مندوں میں جا کر پوچاپٹ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بے شمار ایسے ہوٹل ہیں جن کے دروازوں پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ”ریڈ انڈین (وہاں کے اصلی باشندے) اور کتنے داخل نہیں ہو سکتے“، سفید فام باشندوں کے سکول اور کانج تک مخصوص ہیں جہاں سیاہ فام جبشی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنی قومی برتری کا یہ غرور تھا جس نے جرمن قوم میں ہتلر کا رُوپ اختیار کیا اور کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتنا دیا۔

وطنیت، قوم، رنگ، نسل، اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی اس زور شور سے ہو رہی ہے۔ اس مختصر سی آیت میں ان تمام بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا جن پر مختلف قوموں نے اپنی اپنی برتری اور شرافت کے ایوان تعمیر کر رکھے تھے۔

فرمایا اے لوگو! تم ایک، ہی باپ اور ایک، ہی ماں کی اولاد ہو، تمہاری نسل کا سلسلہ اس ایک اصل سے جا کر ملتا ہے۔ تمہارا خالق بھی ایک ہے تمہارا مادہ تخلیق بھی یکساں ہے۔ تمہاری پیدائش کا طریقہ بھی ایک جیسا ہے۔ اتنی بڑی یکسانیتوں کے باوجود تمہارا ایک دوسرے پر برتری کا دعویٰ سرا سر کم فہمی اور نادانی ہے۔ اولادِ آدم کا مختلف شعوب و قبائل میں بٹنا اس لیے نہیں کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو اشرف و اعلیٰ خیال کرے، بلکہ اس لیے ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور باہمی معاملات میں گڑ بڑ پیدا نہ ہو۔ کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی زمین کا باشندہ ہونا اور چہرے کی کوئی خاص رنگت اس میں

انسان کی اپنی کوشش اور سعی کا کوئی دخل نہ تھا اس لیے قرآن کریم نے اس کو وجہ افخار قرار نہیں دیا البتہ ایک چیز ہے جس سے انسان کا مرتبہ دوسرے لوگوں سے برتر اور اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اس میں انسان کی ذاتی کوشش کا بھی دخل ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

تقویٰ کی بنابر جو معزز و محترم ہو گا وہ غرور سے یکسر پاک ہو گا اور ایسے شخص کا وجود نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے لیے باعثِ خیر و برکت ہو گا بلکہ تمام نوع انسانی اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مختلف مواقع پر بڑے اثر انگیز انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

چند ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ملاحظہ فرمائیے:

فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصوی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اونٹنی کے بیٹھنے کے لیے بھی جگہ نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم لوگوں کے بازوؤں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اترے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ:- سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے تم سے عہدِ جاہلیت کی خامیاں ڈور کر دیں اور تمہیں تکبر سے پاک کر دیا۔ اے لوگو! انسانوں کے بس دو، ہی گروہ ہیں۔ ایک نیک، متقد جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم ہے۔ دوسرا بدکار، بد بخت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ہے، ورنہ سارے آدم کی اولاد ہیں اور اللہ

تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

خطبہ ججۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ:- اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ کسی کالے کو سُرخ پر اور نہ کسی سُرخ کو کالے پر برتری حاصل ہے بجز تقویٰ کے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقدی ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پوچھا لوگو! کیا میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! بے شک آپ نے پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

ترجمہ:- تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے۔

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ روزِ محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پُرس نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو مستقیٰ ہوگا۔

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔

قرآنِ کریم کی اس تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ان ارشادات کا اعجاز تھا کہ ایک ایسی امت معرض وجود میں آگئی جن کے نزدیک عظمت و بزرگی کا معیار فقط تقویٰ اور پارسائی تھی۔ باقی تمام جھوٹے امتیازات مت گئے۔ فخر و مباہات کے جملہ اسباب کا قلع قع ہو گیا۔

قارئین کرام! اس آیت مبارکہ کو تحریر کرنے سے پہلے عرض کیا ہے کہ ہم نے دین اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود مُشرِّکانہ نظریات کو سینے سے لگا رکھا ہے اور ان کو کسی قیمت پر اپنے سے جدا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ نے آیت مبارکہ اور اس کا ترجمہ و تشریح پڑھی۔ اب نہایت معدودت کے ساتھ ایک سوال پوچھنے کی جست رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد مجھے بتائیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے احکامات پر عمل کر رہے ہیں یا کہ دشمنانِ خدا اور دشمنانِ اسلام کے حکم پر؟ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہیں یا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہیں؟ ”جواب ہمارے سامنے ہے۔“

قارئین کرام! ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے احکامات کی کھلمن کھلا خلاف ورزیاں کریں اور ساتھ شکوہ بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے برکت اٹھائی ہے اور ہر طرح کی پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے، ہمیں شکوہ کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ ہم خدا کو چھوڑ کر دشمنانِ خدا کا ساتھ دے رہے ہیں۔

اور ارشادِ بانی ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُكُمْ (آلِ حُجَّ: 40)

”اللَّهُ تَعَالَى ضَرُورٌ مَدْفُرٌ مَا يَأْتِي إِلَيْكُمْ“ کی مدد کرے گا۔

تشریح:۔ اللَّهُ تَعَالَى کی مدد کس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس کا قاعدہ بیان فرمادیا جو اس کے نام کو بلند کرتا ہے جو اس کے دین کی اشاعت کرتا ہے جو شمعِ توحید کو ہاتھ میں لے کر طوفانوں، آندھیوں سے الجھتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے تاکہ دلوں کے ظلمت کدوں کو منور کر دے۔ کفر و شرک کے اندر ہیروں نے جہاں صدیوں سے خیمے گاڑ رکھے ہیں فیماں حق کا أَجَالًا ہو جائے۔ اللَّهُ تَعَالَى کی تائید و نصرت کے مستحق یہی عالیٰ ظرف لوگ ہیں۔ اللَّهُ تَعَالَى کا یہ اٹل قانون ہے۔ پہلے بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا جس کے دل میں اس کے متعلق کوئی کھٹکا ہو وہ آگے بڑھے اور خود تجربہ کر کے دیکھ لے۔

قارئینِ کرام! انتہائی ذکر کے ساتھ یہ تحریر کر رہا ہوں، کہ آج ہمارے معاشرہ میں جو ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے افراطی ہے اس میں اہل علم کا بہت زیادہ ہاتھ ہے۔ وہ یوں کہ ان اہل علم نے حدودِ اللَّهِ کے منکروں یعنی اللَّهُ تَعَالَى کے حرام کردہ کو حرام نہ سمجھنے والوں کے سامنے حق بیان کرنے سے گریز کیا۔ بلکہ اللَّهُ تَعَالَى اور اُس کے رسول صلی اللَّهُ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام کر رکھا ہے اُن چیزوں کا کاروبار کرنے والوں کی ان اہل علم نے سرپرستی شروع کر دی اور آج حالت یہ ہے کہ مسلمان ہر قسم کا حرام کاروبار بڑے فخر سے کر رہے

ہیں۔ شراب، جوئے، خزیر اور دنیا میں بُرائی کو پھیلانے والے گندے رسائل کا حرام کاروبار کرنے والے یہ لوگ معاشرے میں معزز اور محترم بنے بیٹھے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے گھروں یعنی مساجد میں ان کو ہمارے اہل علم نے محترم اور باعزت بنارکھا ہے۔ ظلم کی انتہایہ ہے کہ ان اہل علم نے شریعتِ اسلامیہ کے اصول ان لوگوں کے ہاتھ دے رکھے ہیں جو قرآن و سنت کے مقابلے میں اپنی مرضی کے اصول بنائے بیٹھے ہیں اور یہ اہل علم شریعتِ اسلامیہ کا مذاق اڑانے والوں کے اشاروں پر بلیک کہہ رہے ہیں اور اگر کوئی ان اہل علم سے گزارش کرے کہ جناب قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ اور تشريح پڑھ کرنا میں تو یہ اہل علم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام نہ سنانے میں اپنی عافیت تصور کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! آپ پچھے حکمِ خداوندی اور اُس کی تشريح پڑھ آئے ہیں کہ (کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کرنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت بُرے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے) (المائدہ آیت نمبر 63) اب آپ کی خدمت میں وہ آیات مبارکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو شیطان کی کارستانیاں قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو ان سے پچنے کا حکم دیا ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيمَا أَنْهَمْ كِبِيرٌ وَّ

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۗ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ۗ

”وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت، آپ فرمائیے ان

دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے۔ ان کے فائدے سے،" (البقرة: 219)

تشریح:- شراب کی خُرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی بعض سلیم طبیعتیں اس کو گوارا نہیں کرتیں تھیں۔ چنانچہ حضرتِ فاروقِ عظیم اور حضرتِ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہمیں شراب کے متعلق حکم دیجئے۔ فانها مذهبۃ اللعلق و مسلبۃ للمال۔ یہ عقل زائل کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی اس پر بعض نے شراب ترک کر دی اور بعض پیتے رہے کیونکہ اس میں صراحتہ روا کا نہیں گیا تھا۔ ایک روز حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف نے بعض احباب کو بُلا یا اور انہیں شراب پیش کی۔ جب وہ پی کر مسٹ ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا۔ انہیں میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سورہ الکافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو) کی جگہ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (میں بھی ان کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے۔ تو اس وقت حکم ہوا۔ لَا تَقْرِبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى كہ نشہ کی حالت میں نماز مبت پڑھو۔ پھر ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالک نے کیا تھا۔ جب جام شراب گردش میں تھا اور حاضرین کو خمار چڑھنا شروع ہوا تو لگے اپنے اپنے قبیلوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے۔ کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا۔ ایک انصاری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی ان کے سر پر دے ماری اور سر پھوڑ دیا۔ بارگاہِ رسالت صلی

اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ مِنْ شَكَايَتِ كَيْفَيَةِ حَضْرَتِ عُمَرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نَفْسَهُ الْمُجَاهِدِ - أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ سُرُوجُسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ مَبَارِكَةً نَازَلَتْ هُوَيَّ - يَهُ شَرَابُ كَيْرُورُتُ كَائِلُ حَكْمَتِهِ -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَ

الْأَزْلَامُ سُرُوجُسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُونَ ⑥

”آے ایمان والو! یہ شراب اور جو کا اور بُت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاج پا جاؤ،“ - (المَآمِدَةُ: نمبر 90)

تشريح: - عرب میں شراب کا عام رواج تھا گلتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متواالے تھے۔ شراب جو ان گنت جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی علت ہے اسلام کے پاکیزہ نظام حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا۔ لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجیاً نازل ہوا تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں تو صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعٌ لِلّٰهِ أَيْسَ (ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے) اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْتُمْ سُكَارَى كہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ آیات اس آخری حکم کا پیش خیمه تھیں۔ اگر چہ شراب کی حرمت کا صراحتہ ان میں ذکر نہ تھا

لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اُس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ الہی میں اس کی قطعی حرمت کے لیے اتحاد میں کیا کرتے۔ اس اثناء میں چند ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جس سے شراب پینے کے نقصانات کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیادہ سے زیادہ احساس ہونے لگا۔ جب ایمان پختہ ہو گئے تعلیماتِ اسلامیہ قلب و روح کی گہرائیوں میں بس گئیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ منورہ کے گلی کو چوں میں پھر کر بلند آواز سے ان آیاتِ مبارکہ کا اعلان کرے، جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں، میخوار جمع تھے۔ پیانے گردش میں تھے۔ جو نہی کان میں ہلُّ آنُتمْ مُنْتَهُوْنَ کی آواز پہنچی ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پڑھ دیئے گئے۔

ہونٹوں سے لگے ہوئے جامِ خود بخود اگ کھو گئے۔ جام و سبو تورڈیے گئے۔ مشکلوں اور مٹکلوں میں بھری ہوئی مئے نابِ اندھیل دی گئی۔ وہ چیز جوانہیں از حد عزیز تھی اب گندے پانی کی طرح بہرہ ہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش کا اظہار تک نہ کیا۔ قرآن پاک کی اثر آفرینی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے فیضِ تربیت، صحابہ کرام کی کامل ترین اطاعت و فرمانبرداری اور اسلام کی انقلاب آفرین قوت کا یہ وہ عدمِ النظر مظاہر ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ شراب کے زہر یہ اثرات دیکھے

کریورپ اور امریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ برانڈام ہیں۔ اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی بڑی محلصانہ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ حکومتِ امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور شور سے جہاد جاری رکھا۔ اور اس جہاد میں نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے۔ اخبارات، رسائل، یکچرل، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برس پریکار رہے۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر خرچ کیا۔ پھیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ تین سو افراد کو تنخۂ دار پر لٹکایا گیا۔ پانچ لاکھ سے زائد اشخاص کو قید و بند کی سزا میں دیں۔ بھاری جرم انے کیے۔ بڑی بڑی جائیدادیں ضبط کی گئیں لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ہوئیں۔ آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی جس کے خلاف عرصہ دراز تک وہ معمر کہ آراء رہی تھی کو 1933 میں قانوناً جائز قرار دے دیا۔ (ما خوذ از ما ذا خسر العالم)

اسی طرح برطانیہ میں جو برائے نام پابندی تھی اسے بھی 1961 میں واپس لے لیا گیا اور اس کی تحریک کرنے کے لیے ساری مساعی کے ناکام ہو جانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سنبھال جواز مل گئی۔ (ریڈرڈ اجسٹ مسی 1964) لیکن سب بے فائدہ بے اثر! یہ اسلام کی قوتِ قاہرہ تھی جس نے اپنے ایک فرمان سے ساری قوم کو اس بلائے بے درماں سے رہائی دلادی۔

یہاں چار چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ خمر، میسر، انصاب، اور ازالام۔ اگرچہ انکے متعلق توضیحی نوٹ گزر چکے ہیں لیکن مختصرًا یہاں بھی کچھ عرض کرنا

مناسب ہے۔

خمر: کُلْ شَرَابٌ مُسْكِرٌ وَهَذِهِ التَّسِيَّةُ لُغُوَيَّةٌ وَشَرُعِيَّةٌ ہر مدھوش کر دینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ عصیر عنب سے اس کی تخصیص تعسف ہے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ میں جو شراب استعمال ہوتی تھی وہ انگور، گندم، جو، کھجور اور شہد سے کشید ہوا کرتی تھی۔ اور جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو کسی صحابی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ صرف انگوری شراب ہی حرام ہے حالانکہ وہ اہل زبان تھے۔

میسر: مطلقاً جوَا کو کہتے ہیں خواہ اس کی صورت کیسی ہو۔ حضرت علی شیر خدار پری اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ أَلَّا شَطَرَنْجٌ مِنَ الْمَيْسِرِ کہ شطرنج بھی جوا ہے۔

النصاب: ان پتھروں کو انصاب کہا جاتا ہے جو حرم میں کعبہ کے اردگرد نصب تھے اور کفار اُن کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔

ازلام: وُه تیر جن کے ذریعہ فالیں نکالی جاتی تھیں نیز وہ تیر جن کے ساتھ جوا کھیلا جاتا تھا۔ اس آیتِ مبارکہ میں مقصود تو شراب اور جوَا کی حرمت قطعی کو بیان کرنا ہے لیکن انصاب اور ازلام کو ساتھ ذکر کر کے ان کی قباحت کو اور زیادہ عیاں کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اے شراب! تیرا ذکر تو جوئے اور انصاب و ازلام کے ساتھ ملا کر کیا گیا ہے بُعدَ اللَّكَ وَسُحْقًا تیر استیانا س ہو، تیر اخانہ خراب ہو۔

بد بودار، غلیظ اور گندی چیز کو جس کہتے ہیں۔ يُقالُ لِلنَّنِ وَالْعَذِرَةِ وَالْأَقْدَارِ رِجْسُ (قرطبی) مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ کہہ کرتا یا کہ یہ چیزیں اتنی غلیظ اور ناپاک ہیں کہ سلیم الفطرت انسان از خود ان کی طرف مائل نہیں ہوتا،

صرف شیطان کی وسوسہ اندازی ہی اسے ان فتح حرکات کے ارتکاب کی رغبت دلساً کتی ہے۔

قارئِ میں کرام! اس سے اگلی آیتِ مبارکہ بھی شراب اور جوئے کے متعلق ہی ہے۔

آئیے اللہ تعالیٰ کا پاک کلام پڑھیں اور سمجھیں، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُؤْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاؤَةَ وَالْبَعْضَاءَ

فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنِ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ

فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝ (المائدۃ: ۹۱)

”یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بعض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یادِ الہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟“

شرح: شراب اور جوَا کو حرام کرنے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے اگرچہ انگلی خرابیاں بے حد و بے شمار ہیں اور وہ قومیں جو اس کو شیر ما در سمجھ کر پیا کرتی ہیں وہ بھی اگرچہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن ان خرابیوں اور نقصانات کا بر ملا اعتراف کرتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے مختصر سے الفاظ میں ان کی دو مضرتیں خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی قباحت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ بتایا کہ شراب اور جوَا کی حرمت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تھم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے

بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نماز اور یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بد نصیبی اور محرومی ہو سکتی ہے کہ مَوْذُنُ اللَّهِ تَعَالَیٰ کے حضور میں شرفِ بازیابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہوا اور کوئی اُس وقت شراب کے نشہ میں مد ہوش پڑا ہو یا جوَا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھٹری آئی بھی اور گزر بھی گئی۔ اور جب شراب اور جوَا کی حُرمت کی وجہ یہ ہے کہ وہ یادِ خدا سے غفلت کا سبب بنتے ہیں تو شترنج اور تاش وغیرہ جب اپنے کھلینے والوں کو اتنا منہمک کر دیں کہ نماز کی ہوش تک نہ رہے تو یہ کیوں حرام نہ ہوں گے۔ فَإِنْ كَانَتِ الْخَمْرُ أَنَّا حُرِّمْتُ لِأَنَّهَا تُسْكِرُ فَتَصْلُلُ بِالْأَسْكَارِ عَنِ الصَّلَاةِ فَلِيُحَرِّمَ النَّرْدُ وَالشَّطْرَنْجُ لِأَنَّهُ يُغَفِّلُ وَيُلْهِي فَيَصُدُّ بِدِالِّكَ عَنِ الصَّلَاةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (قرطبی)

جوئے کے متعلق اسی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳ کی تشریح کرتے ہوئے تفسیر ضیاء القرآن میں جناب پیر محمد کرم شاہ الاہزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اہلِ عرب کی دوسری عادت یہ تھی کہ وہ تیروں کے ذریعہ جوَا کھیلا کرتے۔ ان تیروں کی تعداد دس ہوا کرتی۔ سات پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا اور تین خالی ہوتے۔ اس فعل بد کو بھی منوع کیا گیا۔ کیونکہ انسان اس طرح بھی دولت کمانے کے ایسے راستے تلاش کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے جن میں نہ ذہنی کاوش کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ جسمانی مشقت کا۔ اس میں ہارنے والے کامال بغیر اُس کی رضامندی کے جیتنے والے کے پاس چلا جاتا ہے اور یہ ناجائز ذراع سے

دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی ایک واضح صورت ہے جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ چشمِ زدن میں امیر کبیر بن جانے کی ہوں میں لوگوں کو گھروں کی اینٹیں بیچتے دیکھا ہے۔ کئی خوشحال کنفے چند دنوں میں غُربت اور افلاس کے گڑھے میں گرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ جو چیز اتنی خرابیوں کا باعث ہو اسلام اُس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ ایک بات اور یہاں غور طلب ہے۔ اُس وقت بھی کئی لوگ جو اُمیں جیتی ہوئی رقم کو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے بلکہ غریبوں، قیمتوں اور بیواؤں کی اس سے اعانت کیا کرتے۔ لیکن قرآن پاک نے جو اُم کو منوع کرتے وقت اس صورت کو مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ جو اُم کی دیگر صورتوں کی طرح اسے بھی حرام کر دیا۔ آج کل ہمارے ہاں جو یہ رسم قبولِ عام حاصل کر رہی ہے کہ کہیں طوفان یا سیلا ب آیا یا کوئی دوسری مصیبت ٹوٹی تو مصیبت زدگان کی امداد کے لیے چندہ فراہم کرنے کے لیے کہیں رقص و سرور کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور کہیں فلم ایکٹرسوں کے پیچ کرائے جاتے ہیں ان کا حکم بھی اس آیت سے واضح ہے۔ بجائے اس کے کہ انسانی اور اسلامی جذبات کو بیدار کیا جائے ہم ان کے شہوانی جذبات کو اُس کا کردار اکٹھی کرتے ہیں۔ خود سوچئے ہم قوم کو کس پستی کی طرف دھکیل رہے ہیں، دوسرا اللہ تعالیٰ کے غضب کا مقابلہ اس کی نافرمانی اور اس کی حدود کو توڑ کرنا کیا ایک کلمہ گوکوز یہ دیتا ہے؟

قارئین کرام! جو لوگ برائی یا بے حیائی پھیلاتے ہیں یا ان کاموں میں معاونت کرنے کا سبب بنتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجْبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاجِحَةُ فِي الَّذِينَ امْتُوا
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ لَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ
أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑯

”بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے (تو) ان کیلئے در دن اک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔“

(الثُّور: 19)

تشریح:- کسی پر لگائے ہوئے الزام کی بلا تحقیق تشهیر کرنا برا سیوں اور بے حیائیوں کے خلاف نفرت کی جو دیوار اسلام نے قائم کر دی ہے اس میں رخنه اندوزی کی قول اوفعلاً کوشش کرنا، ایسی کتابیں لکھنا جن سے شہوانی جذبات میں تحریک ہو، ایسے گانے، ایسی تصاویر، ایسے ڈرامے، ایسی فلمیں جن سے نوجوانوں میں شرم و حیا کا جذبہ کمزور ہوتا جائے سب اس میں شامل ہیں۔ وہ لوگ جو محض دولت کمانے کے لائق میں ایسی فلمیں بناتے ہیں بڑھ کر حیا سوز مناظر پیش کرتے ہیں، ایسے اشتہارات جن میں جنسی عریانیت سے جاذبیت اور کشش پیدا کی جاتی ہے۔ ایسا لثر پھر جس کی مقبولیت کا انحصار ہی شہوانی محرکات پر ہے۔ مانا کہ وقتی طور پر اس کی آمدی میں بے پایاں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس سے جونقصان ہو گا اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ جب قوم کا اخلاق بگڑ جائے گا، شرم و حیا کی چادر تار تار ہو جائے گی، بے حیا اور ہونا ک زگا ہیں اس کی عصمت لوٹنے میں بھی کوئی تامل محسوس نہیں کریں گی۔ قوم کے اصلاح یافتہ

ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے اسی طرح اس کے اخلاق باختہ ہونے سے ہر فرد کو حصہ رسیدی مل کر رہتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دروازہ کو بند کر دیا جس سے فق و فجور کا سیلا بامنڈ کر آ سکتا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے اس سے پہلے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 90 اور 91 پڑھی اب اس سے اُگلی آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا حَمْنَةً تَوَلَّيْتُمْ

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَغُ الْمُبِينُ ۝ (المائدہ: ۹۲)

”اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اور محاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)۔“

تشریح:- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کی پھرتا کید کر دی گئی اور نافرمانی سے روک دیا گیا تا کہ کوئی شخص کسی تاویل سے اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکے۔

قارئین کرام! وہ مسلمان جود ولت اکٹھی کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں اور حلال و حرام کی تمیز نہیں کر رہے ان کو اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو پڑھنا چاہیے اور اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ زندگی ختم ہو نے والی ہے اور آگے آنے والی زندگی ہی ہمیشہ رہے گی، کبھی ختم نہ ہوگی۔ ہمیں

اُس آنے والی زندگی کی فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہاں یہ مالِ حرام عذاب بن جائے گا اور اُس وقت انسان پچھتائے گا اور کہے گا کہ کاش میرے پاس وہ دولت نہ آتی جو آج میرے لیے عذاب بن گئی ہے لیکن اُس وقت کا پچھتاوا کام نہ آتے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے تو میرا پیغام تم تک پہنچا دیا تھا۔ اور تمہیں تاکید کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کرو، لیکن تم نے اس کی بجائے شیطان جس کو تمہارا کھلا دشمن قرار دیا گیا تھا کا کہا مانا اور اُسی کی اطاعت کی اب اُس کے بد لے کا وقت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ اعْمَلُوا صَالِحًا طَإِنْ
بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيهِمْ ۤ (المؤمنون: 51)

”آے (میرے) پیغمبر و! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔ پیشک میں جو اعمال تم کرتے ہو ان سے خوب واقف ہوں“۔

شرح:- ایک روز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا، آے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز کو پسند فرماتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اُسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اُس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا سَأَلَّقْنَا لَكُمْ۔ آے ایمان والو! پاکیزہ طیب چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا ایک آدمی دُور دراز کا سفر کرتا ہے، اُس کے بال پر اگنده اور

غبار آلو د ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ یارب! یارب! کہتا ہے حالانکہ اُس نے جو کھایا ہے وہ بھی حرام ہے، جو اُس نے پیا ہے وہ بھی حرام، جو اُس نے پہنا ہوا ہے وہ بھی حرام اور اُس کی خوراک بھی حرام مال سے ہے۔ فائزی یُستجاب ذلك؟ (تو ایسے حرام خور آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی؟) رواہ البخاری عن ابی هریرۃ۔ اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ قبولیتِ دعا کے لیے رزقِ حلال بنیادی شرط ہے۔ کامیں امت نے فرمایا ہے کہ اکلِ حلال (حلال روزی) اور صدقِ مقال (چھپی بات) کا نام ہی ولایت ہے۔

سورۃ النور میں، ہی اللہ تعالیٰ کا ایک اور آیت کریمہ میں ارشادِ پاک ہے کہ شیطان کے ساتھی مت بنو وہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم بے حیائی اور برائی ہی پھیلاتے پھرو۔

آئیے سورۃ النور کی یہ آیت مبارکہ پڑھیں۔ ارشادِ ربِ ذوالجلال ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُواتِ الشَّيْطَنِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُواتِ الشَّيْطَنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ مَازَكِي مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ
آبَدًا ۖ وَلِكُنَّ اللَّهَ بِيَرْبِّي مَنْ يَسْأَءُ ۖ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلَيْهِمْ ②ۖ

”اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقشِ قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقشِ قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیر ووں کو) بے حیائی کا اور ہر بُرے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور

اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ (نور: 21)

شرح:- دو قدموں کے درمیان جو جگہ ہوتی ہے اس کو عربی میں **خطوٰۃ** کہتے ہیں جس کی جمع **خطوٰات** ہے یہ مصدر نہیں اسم ہے خطای خطوا کا مصدر خطوٰۃ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شیطان کی پیروی مت کرو، اس کے نقش قدم پر مت چلو کیونکہ وہ اپنے ماننے والوں کو نیکی اور ہدایت کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اس کا شیوه ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو بے حیائی اور بدکاری کی تلقین کرتا ہے اور بُرے کاموں کو اس حسین انداز میں پیش کرتا ہے کہ ان کے بُرے نتائج نگاہوں سے او جھل ہو جاتے ہیں۔ انسان یہی سمجھنے لگتا ہے کہ ساری مسرتیں، ساری عزتیں انہی بُرے کاموں میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ شیطان کے اُکسانے سے وہ ایسی ایسی کمینی اور حیا سوز حرکتیں کرتا ہے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب اپنی بدکاریوں کے نتائج سے وہ دوچار ہوتا ہے، جب بے حیائی کی جلائی ہوئی آگ خود اس کے اپنے گھر کو لپیٹ میں لیتی ہے۔ اس کی اپنی ناموس اور عصمت لٹلنے لگتی ہے اس وقت وہ شیطان کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے لیکن وہ بے مرقت ہنس کر ٹال دیتا ہے اور اُس کا مزاق اڑاتا ہے۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرمادیا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ تمہیں شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے اور اُس کے دام فریب سے بچائے ورنہ تم میں یہ طاقت نہیں کہ تم اس گرگ باراں دیدہ کی فریب کاریوں سے اپنے آپ کو بچاسکو۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر اپنی نظر لطف و کرم فرماتا ہے تو گرتے

ہوئے سنبھل جاتے ہیں اور ڈوبتے ہوؤں کو سہارا مل جاتا ہے۔ اپنے علم اور فہم پر نازار نہ ہوا کرو، ہر وقت اس کے فضل و کرم کے امیدوار رہا کرو اور اسی کی بارگاہ اقدس میں بصد عجز و نیاز عرض کیا کرو کہ

اَءِ الَّهُ الْعَالَمِينَ هُمْ كَمْزُورُ ہیں، شیطان کی چالیں بڑی خطرناک ہیں، ہم تہماں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہماری مدد فرمائیں ہمیں اس کے شر سے بچائے۔
اللَّهُ تَعَالَى تَهْمَارِی سب باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے ارادوں سے بھی واقف ہے۔ تم اگر سچے دل سے توبہ کرو گے اور اس کی رضاکے طلبگار بنو گے تو وہ ضرور تمہاری مدد فرمائیگا۔

اِرشَادِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٍ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْصِيَنَّهُ
حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِإِحْسَنٍ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ⑨٦

”جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجران کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔“ (النحل: 97)

شرح:- مغرب کی مادی تہذیب کے علمبرداروں کے ذہن میں عقیقی کی زندگی جاؤ داں کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ان کی ساری کوششیں اسی دنیوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار، آلام دہ اور پُر جلال بنانے پر مرکوز ہیں۔ وہ جو کام کرتے ہیں ان کے پیش نظر فقط مادی منفعت ہوتی ہے، حتیٰ کہ جو ضابطہ اخلاق

انہوں نے اپنارکھا ہے جسے دیکھ کر ظاہرین لوگ ان کی اخلاقی برتری کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں۔ اس کی تہ میں بھی کاروبار کی ترقی، معاشی خوشحالی یا سیاسی وقار اور اقتدار کی ہوس ہی پہاں ہوتی ہے۔ لیکن صد افسوس! وہ قوم جس کا بنیادی عقیدہ ہی دار آخرت پر ایمان تھا وہ بھی مادی تہذیب کی ظاہری ترقی سے مرعوب ہو رہی ہے۔ دن بدن ان کے اذہان میں بھی عقیدہ آخرت کی اہمیت گھٹتی جا رہی ہے۔ وہ بھی تیزی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں کہ قرآن پاک کی تعلیم کا مقصد فقط آخرت کی زندگی کو خوشنگوار بنانا ہے۔ ہماری اس دنیوی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کرنا نہ اس کے مقاصد میں داخل ہے اور نہ اس کی دسترس میں ہے بلکہ یہ حضرات احکامِ شریعت کو اپنی دنیاوٹی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرنے لگے ہیں۔ اگرچہ ہم بظاہر اس کا اعتراف کرنے سے چکچاتے ہیں۔ لیکن اپنے معاملات میں جب بھی کوئی شرعی حکم ہمارے مفاد سے ٹکراتا ہے تو ہم بڑی آسانی سے اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ایسے اقدام پر ہمارے ضمیر سے جو پُر زور صدائے احتجاج پہلے بلند ہوا کرتی تھی، اس کا جوش و خروش بھی مدھم پڑ گیا ہے۔ اس کا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں کہ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام کی پابندی سے ہمارے کاروبار کی ترقی رُک جائے گی اور ہمارا معیارِ زندگی بلند نہیں ہو سکے گا۔ قرآنِ کریم کی اس آیتِ طیبہ میں اسی غلط فہمی کو دُور کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہو کر اسلام کے پیش کیے ہوئے ضابطہ حیات کو اپناتے ہیں۔ خواہ مرد ہوں یا عورت، شرقی ہوں یا غربی۔ ان کے دونوں جہاں سنور جاتے ہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا جوا جران کو اس

دنیا میں ملے گا اس کو قرآن پاک نے حیاة طیبہ کے جامع الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حیاة طیبہ کا لفظی معنی پاکیزہ زندگی ہے لیکن اس کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ ساری پائیدار مسروتیں اور حقیقی کامیابیاں اس میں سمٹی ہوئی ہیں۔ دولت کی فراوانی اور سامانِ تعیش کی بہم رسانی کے باوجود دل کو قرار اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا اور جب تک دل میں اطمینان کی شمع روشن نہ ہو پھر خوشی اور حقیقی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کا دل نورِ ایمان سے اور آپ کی شاہراہِ حیات اعمالِ حسنہ کے چراغوں سے جگمگار ہی ہے تو آپ کی روح ایک کٹیا میں بیٹھے ہوئے بوسیدہ لباس پہن کر بھی مسرور اور شاداں ہو سکتی ہے۔ لیکن دل کے نگر میں اگر کفر کے اندر ہیرے خیمه زن ہوں، شک و شبہ کے عفریت پھنکا رہے ہوں تو وہاں مسروت کا گزر کیسے ہو سکے، آپ مغربی ممالک کی ظاہری ترقی پر ہی فریفہ نہ ہو جائیں ان کے معاشرہ کی گہرائیوں میں اُتر کر دیکھیں۔ مسروت، اطمینان، اعتماد نام کی کوئی چیز آپ کو وہاں شاذ و نادر ہی دستیاب ہوگی۔ ہمارے معاشرہ میں جہاں جہاں اس خدا فراموش اور تصورِ آخرت سے بے بہرہ تہذیب کے قدم جمٹے جا رہے ہیں وہاں خاندانوں کی بنیادیں لرزگئی ہیں۔ اس ضرب المثل اعتماد اور باہمی ایشار کی جگہ خود غرضی اور بے اعتمادی نمودار ہو رہی ہے۔ پچے والدین کے نافرمان بنتے جا رہے ہیں۔ دولت کے حصول کا وہ بھوت ہم پر مسلط ہو چکا ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی دولت سے میٹنے میں ہمہ تن مصروف ہے الاماشاء اللہ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ ہماری زیاد کاری کا عالم یہ ہے کہ ہم دولت فراہم کرنے کے لیے اپنے ملک اور اپنی قوم سے غداری

کرنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں بد دیانتی سے باز نہیں آتے جن کا براہ راست ہمارے دفاع سے تعلق ہے۔ ہسپتاں اور درسگاہوں کے ٹھیکے دینے اور ٹھیکے لینے میں کوئی ایسی قباحت ہے جس کا چرچا خاص و عام کی زبان پر نہیں۔ کیا یہ دولت جو ہم اس طرح اکٹھی کرتے ہیں، میں اطمینان اور خوشی سے مالا مال کر سکتی ہے۔ قومی مفاد کے ساتھ غداری کر کے کیا ہم اپنے آپ کو محبِ وطن یا قابلِ فخر شہری کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ حیاتِ طیبہ کے دامن میں عزتِ نفس ہے، بلند نظری ہے، اولو العزمیاں ہیں، ایثار و خلوص، قناعت ہے اور ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی بازی جیتنے پر ایک بہار آفرین تبسم ہے۔ یہ حیاتِ طیبہ ساری دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ ساری عزتوں سے بڑی عزت ہے۔ اور ساری راحتوں سے بڑی راحت ہے اور یہ اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کا نورِ صوفشاں ہوتا ہے۔ جس سے اس کا ظاہر اور اس کا باطن، اس کا قول اور اس کا عمل جگمگار ہا ہوتا ہے۔ یہ وہ اجر ہے جو ایک بندہ مومن کو اس دنیا میں بخشتا جاتا ہے لیکن یہ زندگی بہر حال فانی ہے۔ اسے ایک دن یقیناً ختم ہونا ہے۔ لیکن ایمان کا درخت اس دنیا سے رخت سفر باندھنے کے بعد بھی ثمر بار رہتا ہے۔ اور اس کی برکت سے آئندہ زندگی جوابدی ہے، جو جادا ہے وہ بھی راحتوں اور مسرتوں کا گھوارہ بن جاتی ہے۔

اسی عنوان کے تحت اپنے خالق و مالک اور ساری مخلوق کو رزق عطا کرنے والے رب العالمین کا ایک اور حکم ملاحظہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ ہم جو رزق کھار ہے ہیں اور جس سے اپنے بچوں کی پورش کر رہے ہیں کیا وہ حلال

ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے بتائے ہوئے اسلامی طریقہ سے حلال ہے؟
ارشاد باری تعالیٰ ہے !

**يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُّ أُمَّةٍ فِي الْأَرْضِ حَلَّا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا
خُطُواتِ الشَّيْطَنِ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝** (البقرہ: 168)

”آے انسانو! کھاؤ اس میں سے جوز میں میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزوں) اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

تشریح:- آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کھانے اور استعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے لیکن حلال و حرام کی تمیز اب بھی نہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں تاکہ جسمانی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلیدنہ ہوں تاکہ ضمیر انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن پاک نے طیب کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو حلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور حلال اُس چیز کو کہتے ہیں کہ نہ تو ذاتی طور پر حرام ہو جیسے حرام جانور، مُردار، شراب وغیرہ اور نہ ایسے طریقوں سے حاصل کی گئی ہو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً چوری، جو اخواہ وہ کلبیوں میں ہو، رشوٹ اور وغیرہ وغیرہ۔ اسلامی نظام معاشیات کا یہ ایک بنیادی اصول ہے، کہ معاش کے لیے کھلی چھٹی نہیں بلکہ تمام وہ راستے بند کر دیئے ہیں جن میں کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے

نا جائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ آپ خود سوچیں جب سُود، جو کام رشوت اور بلیک مار کیٹنگ وغیرہ کے چور دروازے بند ہو جائیں تو کیا دولت سُکر کر صرف چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے؟ دولت کی ناجائز تقسیم بلکہ لوث کھوٹ جن معاشی، اخلاقی اور سیاسی خرابیوں کو جنم دیتی ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ کاش ہم اس الہی نظام کو خود سمجھتے، سنجیدگی سے اس پر عمل کر کے دکھاتے تاکہ دوسری قوموں کو سمجھا سکتے۔

آیتِ مبارکہ کے اگلے حصہ میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ شیطان تمہیں بد کاری اور بد معاشی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمہارے دل میں طرح طرح کے وسو سے ڈال کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُسکاتا ہے، اگر تم اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کا قصد کرو تو وہ تمہیں معاشی بدحالی اور بین الاقوامی بدنامی کے موہوم خطرات سے ڈرا تا ہے۔ اس بد خواہ کے چکمیوں میں آ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

اب سورۃ البقرہ کی یہ آیتِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالیٰ جس میں ایمان والوں کو حکم دے رہے ہیں کہ شیطان کا کہانہ مانو اور پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اس کا ہر اصول اپناؤ۔ یہ نہیں کہ جو جی مانے وہ اپنالو اور جو تمہارے ذاتی مفادات سے ٹکرائے اُسے چھوڑ دو۔ بلکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النِّبِيْنَ أَمْثُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَةً وَلَا تَتَّبِعُو ا
خُطُوَاتِ الشَّيْطَنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَذَّابٌ وَمُّبِينٌ ⑥

”اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو

شیطان کے نقشِ قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

(البقرہ: 208)

شرط:- سِلْم اور سَلْم دونوں قرأتیں ہیں دونوں کا معنی سرتسلیم خم کرنا ہے۔ غیر مشروط اطاعت اختیار کر لینا ہے۔ السلم بالكسروالفتح الاستسلام والطاعة (بیضاوی و مظہری) یہاں اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ آیت مبارکہ ہمیں اسلام کے مزاج سے آگاہ کر رہی ہے کہ یہ دین مستقل ضابطہ حیات اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔ اس کے اپنے عقائد ہیں۔ اس کا اپنادیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اس کے اپنے نظریات ہیں۔ اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضمن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی روپما ہو سکتی ہیں جب کہ اسے ماننے والے اسے پورے کا پورا اپنالیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسے بتامہ قبول کر لیں اور اس کا کوئی گوشہ ترک نہ ہو اور ملت کا کوئی فرد اس کو اپنانے سے گریز نہ کرے۔ کافہ کا لفظ ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کافہ حال ہے اس کا ذوال الحال ادخلوا میں ضمیر مستترانتم بھی ہو سکتی ہے اور السِّلْم بھی۔

یعنی حق کو باطل کے ساتھ مت ملاو۔ اس طرح حق کا حسن داغدار ہو جائے گا اور اس کا سرچشمہ مکدر ہو جائے گا۔ آج ہماری کیا حالت ہے۔ کس طرح اسلام کے نام پر شہر آباد کیے جاتے ہیں۔ پھر اسی کی شاہرا ہوں پر اسلام کے نام اور اس کے نظام کو رسوایا جاتا ہے۔ اسلام کے نام پر ملکتیں معرض وجود میں لا لی

جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے قانون، ضابطہ اخلاق اور اس کی مقدس قدریوں کو سرداخنوں میں مغلق کر دیا جاتا ہے۔ یہ خدا فریبی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ کیا بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ساتھ مذاق کرنا چھوڑ دیں۔

اسی سورہ کی اگلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَإِنْ زَلَّتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتُكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ

اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ (البقرہ: 209)

”اور اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ آچکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

شرح:- یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تم سے انتقام لے گا۔ وہ عزیز ہے، سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے حکم کے سامنے ڈم نہیں مار سکتا۔ لیکن اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اس سرکش کو ابھی ڈھیل دینا چاہیے تو اسے فوراً پکڑ نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ اسی لیے عزیز کے ساتھ حکیم کا ذکر بھی آیا ہے۔

آئیے پڑھتے ہیں ارشادِ خداوندی جس میں شریعت کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے اور جاہلوں کی خواہشات سے اجتناب کرنے کی تائید کی گئی ہے۔

شُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ

آهُوَ آءَ الِّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾ (الجاثیہ: 18)

”پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم

ہیں۔

تشريع: لغت میں شریعت نہر یا دریا کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں لوگ بآسانی بیٹھ کر پانی پی سکتے ہیں یا غسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ اسی طریقہ وہ راستہ جو منزل کی طرف لے جاتا ہے اس کو عربی میں شارع کہتے ہیں۔ یہاں شریعت کا معنی ہے ماشرع اللہ لعبادۃ من الدین۔ یعنی وہ عقائد، عبادات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی سے وہ اپنے مالک کے شکر گزار بندے کہلا سکتے ہیں اور ان کا وجود ان کے اپنے لیے اور سارے معاشرہ کے لیے یمن و برکت کا باعث بن جاتا ہے۔

بنی اسرائیل پر جوعنایات کی گئی تھیں اور انہوں نے باہمی حسد و بعض سے جس طرح اپنے آپ کو مختلف وھڑوں میں تقسیم کر کے اپنی افادیت کھو دی تھی اور اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دعوتِ حق کے منصب پر متمکن رہیں۔ ان کے حالات بیان کرنے کے بعد روئے سخن اپنے پیارے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک واضح شریعت عطا فرمادی ہے جس میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ دین و دنیا کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے اور اس پر عمل کرنے والا، فرد ہو یا امت فلاح دارین کے شرف سے مشرف ہو گا۔

آیتِ کریمہ میں اس سے آگے فرمایا جا رہا ہے۔

اَمَّا میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! اَبْ آپ پر فرض ہے کہ آپ اس کی پیروی کریں۔ نفس کے پرستار اور دنیا کے پنجاری لاکھ

شور مچائیں، آپ ان کی طرف قطعاً التفات نہ کیا کریں، بڑی ثابت قدیمی اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے جائیں۔ جس ذات نے آپ کو یہ جامع شریعت عطا فرمائی ہے وہ علیم و خبیر ہے اور اعتراض کرنے والے لوگ جاہل اور نفس پرست ہیں۔ اگر علیم و خبیر کی واضح ہدایات پر ان جاہلوں کی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی جائے گی تو اس پر جو نتیجہ مرتب ہو گا وہ واضح ہے اسی سورہ کی اگلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

إِنَّهُمْ لَنْ يُعْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَ إِنَّ الظَّالِمِينَ
بَعْضُهُمُ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ اللَّهُ وَلِيُّ الْمُسْتَقِيمِينَ ۚ

” یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کا دوست ہے۔“ (الجاثیہ: 19)

شرح:- یاد رکھو اگر تم نے ایسا کیا اور اللہ تعالیٰ کی نظر لطف و کرم سے محروم کر دیے گئے، تو پھر اس کے غصب سے دُنیا کی کوئی طاقت تمہیں بچانہیں سکے گی۔

اہل پاکستان کے لیے یہ آیات مبارکہ خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ ہم آزادی کے بعد ابتدائی سالوں میں یورپ اور امریکہ کی مادی ترقی پر فریفته رہے، اپنی پاکیزہ ثقافت اور خوبصورت تمدن کو مغربی تہذیب کی کنیز بنانے پر مصروف ہے، ان کے ادنیٰ اشارے پر اپنی سیاست کو رنگ دیتے رہے۔ بیس چھپیں سال تک مغرب کی کورانہ تقلید کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری معاشیات سرمایہ داری نظام

کے قالب میں ڈھل گئی، چند خاندان امیر بن گئے، باقی ساری قوم قلاش ہو گئی۔ اس تباہ گن پالیسی کے خطرناک اثرات ظاہر ہوئے تو ہم بھنا اٹھے اور اپنے کو کو سنا شروع کر دیا لیکن شومی قسمت ملاحظہ ہوا اگر پہلے لندن اور واشنگٹن ہمارا مرکز عقیدت تھا تو اب ماسکو ہمارا قبلہ حاجات بنتا جا رہا ہے اور حالات بتا رہے ہیں کہ ہمارے موجودہ قائدین ہمیں سو شلزم کی دلدل میں پھنسا کر دم لیں گے۔ کاش! کوئی مردانا ان نازک المحون میں ہمیں قرآن کریم کے بتائے ہوئے نظام پر عمل پیرا کر دیتا اور اسلام کا وہی نظام جسے رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عرب کے جہنم زار میں نافذ کر کے اُسے رشکِ فردوس بنادیا تھا، اس کو وہ اس پاکستان میں نافذ کر کے ہماری کشتی کو بھی ساحل آشنا کر دیتا۔ ہم کب تک دریوزہ گر بنے ڈردار کی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دامنِ رحمت کو چھوڑ کر اغیار کے سایہ دیوار میں پڑے رہیں گے؟ اس انقلاب کے لیے ضروری ہے کہ قوم میں فلکی اتحاد ہو اور قیادت اتنی جاندار اور نورِ ایمان سے مالا مال ہو کہ مخالفین کی غوغاء آرائی میں قرآن کریم کی اس آیتِ مقدسہ فَاتَّبِعُهَا وَلَا تَتَبَيَّعْ أَهُوَ آءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ پر عمل پیرا ہونے کی ہمت رکھتی ہو۔

قالہ جاز میں ایک حسین رضی اللہ عنہ بھی نہیں

گرچہ ہے تابدارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات

اس آیتِ مبارکہ کے اگلے حصہ کی تشریع بھی ملاحظہ فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ اگر تم قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ دو گے تو ظالم بن جاؤ

گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے مستحق نہیں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ تو صرف ان لوگوں کی اعانت فرماتا ہے اور دشمنی کرتا ہے جو اس کی نافرمانی سے لرزہ براند ام رہتے ہیں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہیں۔

قارئین محترم! حلال و حرام کے متعلق قرآن پاک میں بہت جگہ آیا ہے۔ لیکن آب ہم اس موضوع کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک پر ختم کرتے ہیں۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَيْثُ وَ الْطَّيْبُ وَ لَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ
الْخَيْثِ فَإِنَّقُوا اللَّهَ يَأْوِي إِلَّا لِبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

”آپ فرمادیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت سوڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ“۔ (المائدۃ: 100)

تشریح:- اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اپنی امت کو بتا دیجئے کہ کفار کی جاہ و حشمت، مال و دولت اور تعداد کی کثرت اور اپنی غربت اور کمزوری کو دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں، کیونکہ خبیث اور طیب ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ وہ پلید ہیں تم پاک ہو۔ خبیث اور طیب سے مراد حرام اور حلال، کافر اور مومن، عاصی اور مطیع سب ہو سکتے ہیں۔

قارئین کرام! ایک خاندان، برادری یا معاشرہ میں نفرت اور عداوت کا اگلا سبب ہے۔ ”جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، سچی بات نہ کرنا اور سچ کو چھپانا“،

جبکہ اسلام ان بُری حرکات سے اہل ایمان کو روکتا ہے۔ ”میں انتہائی معدرت کے ساتھ ان اہل ایمان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی آخرت کی فکر کریں جو اللہ تعالیٰ کے گھروں یعنی مساجد میں بیٹھ کر بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے،“ - اب آپ کی خدمت میں اس موضوع پر ربِ ذوالجلال کے پاک کلام سے چند آیات مبارکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا صدقہ ہمیں یہ پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

ارشادِ ربِ ذوالجلال ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قَوَّا اللَّهَ وَقُوْلُوا قُوْلًا سَدِيدًا

”اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ پچی (اور درست) بات کہا کرو“ - (الاحزان: 70)

شرح:- اے اہل ایمان ! اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا دل دکھانا اور اس کی شان کا انکار کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔ تمہیں تو تقویٰ اور پارسائی کا شیوه اختیار کرنا چاہیے اور جب بات کرو تو پچی اور درست بات کرو، کوئی جھوٹی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے۔

اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والوں کا تعارف ایک اور آیت کریمہ میں اس طرح کروایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَنِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِأَيْتِ اللَّهِ وَ

أُولَئِكَ هُمُ الْكُفَّارُ ۝ (النحل: ۱۰۵)

”وَهِيَ لَوْكٌ تَرَاشَا كَرَتْ تِيْ ہیں جھوٹ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔“

شرح:- کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر مفتری ہونے کا الزام لگانے کی گستاخی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افتر آبازی کرنا تو تمہارا شیوه ہے، جھوٹ بولنا تو تمہاری عادت ہے۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مقام تو بڑا بلند ہے، اس کے غلام بھی جھوٹ اور غلط بیانی سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے۔ چنانچہ امام نیہقی نے شعب الا ایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ **ترجمہ:-** ”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے عرض کی گئی، کیا مومن بزدل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ کیا مومن بخیل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ کیا مومن جھوٹا ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں!“

آب سورۃ النساء کی آیت مبارکہ جس میں اللہ تعالیٰ کا بڑا سخت فرمان عالیشان ہے کہ ہر حال میں سچی گواہی دو، ہر حال میں انصاف کرو اور یہ خطاب اہل ایمان کو ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُوْنُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شَهَدَ آءَ اللَّهَ
وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ ۝ إِنْ يَكُنْ
غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَإِنَّ اللَّهَ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ
تَعْدِلُوْا ۝ وَ إِنْ تَلَوَّا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ گَانَ بِهَا
تَعْمَلُوْنَ خَيْرًا ۝ (النساء: ۱۳۵)

”آے ایمان والو! ہوجا و مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ تعالیٰ کے لیے، چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفوس کی خلاف یا اپنے والدین اور قربی رشتہ داروں کے خلاف۔ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ تعالیٰ زیادہ خیرخواہ ہے دونوں کا۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں اور اگر تم ہمیر پھیر کرو یا منہ موڑ تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔“

شرح: - قوام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد کثرتِ عددی نہیں بلکہ اس سے ثبات اور استحکام فی الشہادۃ کی تاکید مقصود ہے یعنی جب شہادت دو تو خوب مستحکم ہو کر۔ پہلے زوجین اور یتیم بچوں، بچیوں کے حقوق کا ذکر چلا آیا ہے اس میں کبھی عدالت تک جانے کی نوبت آ جاتی ہے۔ وہاں فیصلہ گواہوں کی گواہی سے کیا جاتا ہے۔ اگر گواہ سمجھی گواہی نہ دے تو حق دار کی حق تلفی ہو جاتی ہے اور ظلم جس کے انسداد کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے اس کو اُلانہ قانون کا سہارا مل جاتا ہے اس لیے گواہوں کو سمجھی گواہی دینے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان تمام امور کو جو گواہی دینے سے انسان کو روکتے ہیں مثلاً اپنا ذلتی فائدہ، ماں باپ کا پاس، قربی رشتہ داروں کی رعایت وغیرہ کو ذکر کر کے ان کو خاطر میں نہ لانے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ مندرجہ بالاموال نے کے علاوہ کبھی یہ خیال انسان کو حق کے اظہار سے روک دیتا ہے کہ جس کے خلاف میں گواہی دے رہا ہوں وہ امیر کبیر ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی مسکین کی مسکنت اور غربت کا احساس

انسان کے دل میں رحم و شفقت کے جذبات ابھار دیتا ہے اور اس غریب کے خلاف سچی بات کہنے سے اس لیے ہچکچاتا ہے کہ اس سے اس غریب کو نقصان نہ پہنچے۔ انسانی نفیات کا کتنا دقيق محاسبہ ہے۔ فرمایا عدالت میں کھڑے ہو کر ان احساسات کو بالکل دل سے نکال دو اور بڑی سچائی کے ساتھ گواہی دو۔ فَإِنَّمَا^۱
آُولَئِيَ الْهُمَاءِ كَتَنَا بِيَارًا جَمِيلَهُ ہے یعنی تم کسی کی خیرخواہی بھلا کیا کرو گے۔ تم اپنے رب کا حکم مانو۔ تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ خود ان (غریب و امیر) کا خیرخواہ ہے۔
اس آیت کی ابتداء میں دو لفظ شہد آءَ اللَّهُ كَتَنَ پُر شکوہ اور اثر آفرین ہیں۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ تم کسی انسان کے لیے گواہی دے رہے ہو اور جو تمہارے دل میں آئے کہہ دیا تو کوئی تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔ نہیں یہ گواہی کسی انسان کے لیے نہیں بلکہ اللہ ذوال مجد واعلیٰ کے لیے ہے۔ اب سوچ لو کیا تم اس کو ناراض کرنے کی ہمت رکھتے ہو۔ سُبْحَانَ اللَّهِ! کیا جلال و شکوہ ہے کلامِ حکم الحکمیں میں۔ ایسا بھی نہ کرو کہ سچی گواہی دیتے دیتے ہیر پھیر کر دیا۔ جو بات غیر اہم تھی اس پر بڑا ذور دیا اور جو اہم بات ہوئی اس کو پی گئے۔

اب سچی گواہی اور انصاف کرنے کے متعلق ایک اور ارشاد
خداؤندی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ بِاللَّهِ شَهَدَ آءَ
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا طَ
إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
حَبِّيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿الْمَآمِدَة: 8﴾

”اے ایمان والو! ہو جاؤ مضمبوطی سے قائم رہنے والے، اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

تشریح:- بعینہ یہی الفاظ سورہ النساء میں گزر چکے ہیں اور ان کی لغوی تحقیق وہاں ملاحظہ فرمائی جائے (سورۃ النساء آیت نمبر 135) اس کے دوبارہ نزول کی وجہ یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کے جان و ایمان کے نہایت ظالم اور بے رحم دشمن انکے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام کے علم بردار جوشِ غصب میں ان پر زیادتی کرنے لگیں۔ اس لیے انہیں وقت سے پہلے ہی تنبیہ فرمادی کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں تباہ نہ بر تیں۔ بلکہ قَوْمِينَ بِلِلّهِ یعنی اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے مضبوطی سے کھڑے رہنے والے بن جائیں۔ کفار مسلمانوں کے شہیدوں کے ناک کاں کاٹ کر مثلہ کر دیا کرتے تھے۔ مسلمان عورتوں اور بچوں کے قتل سے بھی نہیں شرماتے تھے۔ مسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے روک دیا گیا۔ اب کیونکہ قوت اور اقتدار مسلمانوں کے پاس آ رہا تھا اس لیے انہیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبردار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت و سلطنت کے تحت کی مستحق اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک وہ صفتِ عدل سے منہض ہو۔ جس قوم نے ظلم پر کمر باندھ لی وہ آج

نہیں تو کل ضرور اس نعمت سے محروم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پُر زور طریقہ سے عدل کرنے کی ہدایت فرماتا۔

گواہی کے متعلق ایک اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ يُشَهِّدُونَ تِبْيَانًا قَالَ إِيمُونَ ﴿٣٣﴾ (المعارج: 33)

”اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں،“

تشریح:- یعنی جو گواہیاں ان کے ذمہ ہیں انہیں بڑی سچائی سے ادا کرتے ہیں کسی کا خوف، کوئی لائچ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں سچی گواہی دینے سے باز نہیں رکھتی۔

جھوٹی گواہی نہ دینے والوں کی ہفت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک اور جھوٹے گواہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کا فرمان عالیشان ملاحظہ ہو۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الرُّؤْسَ لَا وَإِذَا أَمْرُوا بِاللَّغْوِ مُرْدُوا كَرَامًا ﴿٧٢﴾ (الفرقان: 72)

”اور جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں،“

تشریح:- **يَشْهَدُونَ** کے دو معنی ہیں حاضر ہونا اور گواہی دینا۔ پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ کسی باطل سرگرمی میں شریک نہیں ہوتے۔ ایسی محفلیں جو لہو و لعب کے لیے منعقد ہوں، ایسے اجتماعات جہاں غلط نظریات کا پرچار کیا جاتا ہو ان میں شامل نہیں ہوتے اور اگر دوسرا معنی لیا جائے تو آیت کا

مفہوم یہ ہو گا کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ بیشک آیت مبارکہ کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ شیوه ہے کہ نہ وہ پہلے باطل و نفاق کی ہنگامہ آرائیوں کی رونق دو بالا کرتے ہیں اور نہ ہی جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا! کیا میں تمہیں خبردار نہ کروں کہ سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ضرور خبردار فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا الشرک بالله و عقوق الوالدین کان متکنًا فجلس فقال الا وقول الزُّور فما زال يكُرّهَا حتى قلناليته سكت۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوششیک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا خبردار! جھوٹی گواہی اور ان آخری الفاظ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بار بار دھرا تے رہے حتیٰ کہ ہم نے (دل میں) کہا کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ جھوٹی گواہی سے جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹی گواہ کو چالیس کوڑے لگاتے، اس کامنہ کالا کرتے، اس کا سرمنڈ وادیتے اور اسے بازار میں پھراتے تاکہ اس کی خوب تشبیر ہو۔

قارئینِ کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا، کہ اسلام نے پچھی گواہی کو چھپانے اور جھوٹی گواہی دینے کو گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے اور اس کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے لیے کس قدر سخت سزا رکھی گئی ہے۔ اگر معاشرے سے

یہ ایک کبیرہ گناہ ختم ہو جائے تو بہت سے لڑائی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں۔
اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

مسجد میں اعمالِ سیئہ کا ارتکاب یعنی جھوٹ بولنا ممنوع ہے کہ مساجد
کی حرمت و تعظیم میں فرق آتا ہے وہاں تو صرف اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنی
چاہیے ارشاد باری تعالیٰ ہے

فِي بُيُوتٍ أَذْنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ لَا يُسْبِحُ
لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْأَصَالِ ۝ (النور: 36)

”ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ بلند کیے
جائیں۔ اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان
کرتے ہیں ان میں صبح اور شام۔“

شرح:- جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے نورِ ہدایت و معرفت سے
مالا مال فرمادیتا ہے۔ ان کے چند ظاہری اور باطنی احوال بیان کیے جا رہے
ہیں۔ فِي بُيُوتٍ کا متعلق یُسْبِحُ ہے۔ یعنی یہ لوگ ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی پاکی
بیان کرتے ہیں جن کے بلند کرنے کا اس نے حکم فرمایا ہے۔ فیها کا مرجع بُيُوتٍ
ہے اور اسے جملہ کے آخر میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ تکرار اور تذکیر کا فائدہ
دے جس طرح ففی رحمة الله هم فيها خالدون میں فيها مذکور ہے۔
ترفع سے مراد مساجد کا بلند کرنا ہے یعنی ان کی عمارت بھی شاندار ہو اور وہ
نہایت پاک اور صاف ستھری بھی ہوں۔ کوڑے کرکٹ کا نام و نشان تک نہ ہو۔
دیواروں اور فرش پر بد نماد ہبے اور داغ طبع سلیم پر گراں نہ گزر رہے ہوں،

چھتوں پر مکڑی نے جالے نہ تن دیئے ہوں۔

حدیثِ پاک میں ہے۔ جو شخص رضاۓ الہی کے لیے مسجد بناتا ہے، اللہ تعالیٰ جنت میں اُس کے لیے گھر تعمیر فرماتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تُرْفَع کا معنی کیا ہے مساجد کی تعظیم و تکریم کی جائے اُنہیں ہر قسم کی غلاظت اور آلودگی سے پاک رکھا جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسجدِ نبوی کو سگوان کی لکڑی سے مُزین کیا اور اُسے خوبصورت بنایا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر مسجدوں میں سونے کے پانی کے ساتھ نقش و نگار بنائے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر پر زبر کثیر صرف کیا۔ اسے نقش و نگار سے مُزین و آراستہ کیا اور کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔ ایک دفعہ حضرت تمیم الداری شام سے مدینہ طیبہ آئے، قندیلوں، زیتون کا تیل اور عمدہ بٹی ہوئی رسیاں لے آئے۔ اتفاق سے آنیوالی رات جمعہ کی رات تھی عصر کے بعد انہوں نے اپنے غلام کو کہا کہ ان رسیوں سے قندیلوں کو باندھ کر لٹکائے ان میں تیل ڈال کر بتیاں درست کر دے، اس نے حکم کی تعمیل کی جب سورج غروب ہوا انہیں جلا دیا، مسجد بقعہ نور بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تشریف لائے پوچھا یہ کس نے کیا ہے؟ عرض کی گئی تمیم الداری نے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خوش ہو کر دعا دی، فرمایا تو نے آج اسلام کو روشن کیا، اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا اور آخرت منور فرمائے۔ جس طرح مسجد کو نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ہے اسی طرح ان

اعمالِ سیئہ کا ارتکاب بھی مسجد میں منوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی بدبو سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے۔ انسان جھوٹ بولتا ہے اور اس کی بدبو سے فرشتہ بھاگ جاتا ہے، اس لیے ایسے آدمی کو مسجد سے نکال دینا ضروری ہے جو مسجد میں جھوٹی باتیں کہے۔

یہاں سے ہمارا اگلا موضوع شروع ہوتا ہے اور وہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر عمل کرنے کے بارے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنی حدیث مبارکہ میں سختی سے حکم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عملی طور پر اس کو سختی سے نبھایا بھی اور اپنی امت کو ہر حال میں اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ اگر امتِ مسلمہ اس پر عمل پیرا ہو جائے تو نہ صرف اسلامی معاشرہ میں امن و سکون ہو جائے بلکہ دُنیا ملتِ اسلامیہ کی امامت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اور وہ موضوع ہے۔

عہدو پیمان

قارئین کرام! آج ملتِ اسلامیہ کی کیا حالت ہے ہر جگہ لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں۔ چھوٹی سطح سے لے کر حکومتوں کے ایوانوں تک ہر جگہ وعدے اور معاهدے کیے جاتے ہیں، حلف اٹھائے جاتے ہیں اور پھر ان سے جس طرح راہِ فرار اختیار کی جاتی ہے وہ آج کسی سے مخفی نہیں۔ اسی گناہِ کبیرہ کی بدولت آج امتِ مسلمہ کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، انصاف سے بتائیں کہ اگر وعدے اور معاهدے کی پاسداری کی جائے، جو حلف اٹھائے جاتے ہیں ان سے وفا کی جائے اور اللہ تعالیٰ اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اپنے معاملات چلائے جائیں تو کسی اسلامی مملکت میں ”مارشل لاء“ لگے؟ یا ”ڈیکٹیٹر شپ“ ملتِ اسلامیہ میں کہیں نظر آئے؟ آج ملتِ اسلامیہ کی ذلت و رسوائی صرف اور صرف وعدہ خلافی اور عہدو پیمان سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔

آئیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کی حالت سنور جائے اور یہ ذلت و رسوائی کے دن عزت و آبرو میں بدل جائیں، یہ ہو سکتا ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ان ارشاداتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔

يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَدْفُونَ إِلَّا عُقُودٌ هُنَّا (الْمَآدَه: ۱)

”أے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو،“

تشریح:- جس طرح وعدہ کیا گیا ہو اسی کے مطابق اس کو پورا کرنے کو

وفاء اور ایفاء کہتے ہیں۔ عقود عقد کی جمع ہے، اس کا لغوی معنی گرہ لگانا ہے۔ اب اس کا اطلاق اس پختہ وعدہ پڑھوتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے پائے۔ یہاں عقود سے مراد ہر قسم کے معاهدے ہے ہیں خواہ وہ انسان اور خالق کے درمیان ہوں یا انسان اور انسان کے درمیان ہوں۔ ان کا تعلق دینی احکام سے ہو یا دُنیوی معاملات سے سب اس میں درج ہیں۔ اور سب کی پابندی کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ البتہ وہ وعدہ جس کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اُس کا پورا نہ کرنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا ہے۔ اخلاق کا کتنا بہترین درس ان دلقطوں میں دیا گیا ہے۔ کاش! ہم سمجھیں اور عمل کریں۔

ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو۔ (سورۃ المعارج آیت نمبر 32)

وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُشْتَهِيْمُ وَعَهْدِهِمْ لَا عُوْنَ③

”اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں پیمان کی پاسداری کرتے ہیں،“

شرح:- جو امانتیں ان کے سپرد کی جاتی ہیں وہ ان میں خیانت نہیں کرتے۔ امانتوں سے مراد یہاں ہر قسم کی امانتیں ہیں۔ ہمارے اعضاء، ہمارے ہوش و حواس، ہماری عقل اور ہماری زندگی سب خدا کی امانتیں ہیں۔ ان کو اس کے حکم کے مطابق صرف کرنا دیانت داری ہے اور ان کو اس کی نافرمانی میں صرف کرنا بد دیانتی اور خیانت ہے۔ اگر حکومت نے کسی کو کوئی ذمہ داری سونپی ہے تو اس کو اپنی پوری صلاحیتوں کے مطابق انجام دینا بھی اس میں داخل ہے، اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا تو وہ خائن (امانت میں خیانت کرنے والا) ہو گا۔

اسی طرح اگر کسی نے کوئی زیور، کوئی سامان بوجہ حفاظت اس کے پاس رکھا ہے تو اس کی نگہبانی کرنا اور مالک کے طلب کرنے پر اُس کو جوں کا توں واپس کر دینا یہ بھی اس میں داخل ہے اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو وہ بد دیانت اور خائن ہو گا۔

عہد سے بھی عام و عده مُراد ہے۔ خواہ بندے کا اپنے رب سے کون وعدہ ہو یا کسی دوسرے انسان سے، اس کا ایفاء بھی از حد ضروری ہے۔

سورۃ التوبہ میں ارشادِ ربِ ذوالجلال ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدُتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ
شَيْئًا وَ لَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَاتَّسِعُوا إِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِّهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

”بجز اُن مشرکوں کے جن سے تم نے معاهدہ کیا پھر انہوں نے نہ کمی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھرا اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی۔ تو پورا کرو ان سے ان کا معاهدہ ان کی (مقررہ) مدت تک۔ پیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پر ہیز گاروں کو۔“ (سورۃ التوبہ آیت نمبر 4)

شرح:- اس آیت مبارکہ نے سابقہ حکم کی وضاحت کر دی کہ صرف ان قبائل کے معاهدوں کو منسوخ کیا جا رہا ہے جنہوں نے معاهدوں کی خود پہلے خلاف ورزی کی اور ان کا احترام نہ کیا۔ لیکن جو قبائل اپنے معاهدوں کے پابند ہیں، نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں ان کے ساتھ جو معاهدے ہو چکے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔

گویا عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔ آیتِ کریمہ کے اس تتمہ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاهدوں کی پابندی کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیا۔ ایفاء عہد کے بارے حکمِ باری تعالیٰ ہے۔

وَأَوْفُوا بِعِهْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ مَسْؤُلًا ③

”اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو پیش ک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا۔“ (بنی اسرائیل: 34)

شرح: وعدہ کر کے اس کو توڑنا اسلام کی نظر میں بڑا معیوب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعدہ شکنی کو منافقت کی تین علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے اس لیے یہاں ایفاء عہد کی تاکید کی جا رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ یہ معمولی بات نہیں بلکہ اگر تم نے اس میں سُستی کی تو تم نے باقاعدہ باز پرس ہو گی۔

پچھے آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ عہد و پیمان کا موضوع بڑا ہم ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس پر بڑی سختی سے کاربند رہنے کی تلقین فرمائی ہے، اسکے متعلق سورۃ النحل میں 6 آیات مبارکہ پر مشتمل ایک مستقل باب ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں۔

وَأَوْفُوا بِعِهْدِ اللَّهِ إِذَا أَعْهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقُدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ⑥ (النحل: 91)

”اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو (اپنی) قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔ پیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

تشریح:- اس آیتِ کریمہ میں دو چیزوں پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسلاملات وقت جو عہدو پیمان بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اس کو نبھائے اور باہمی معاملات میں جو قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کو بھی پورا کرے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ تم نے اس وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے عہدو پیمان یا قسموں کا گواہ بنایا تھا تو یہ کتنی رذالت ہے کہ ایک چیز پر تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤ اور پھر اس کو پائیہ تکمیل تک نہ پہنچاؤ۔ کفیل کا معنی گواہ ہے۔ کفیلاً شاهداً (مظہری) کفیلاً ای شہیداً و یقال حفظ و یقال ضامناً (قرطبی) یعنی کفیل کا معنی گواہ ہے اور بعض نے اس کا معنی نگہبان اور بعض نے ضامن بھی کیا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالّتِي نَفَضَثْ غَرْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا

تَتَخَذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَحْلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ

أَرْبَى مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوُكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ

يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَحْتَلِفُونَ ۝ (الخل: 92)

”اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑا۔ الا اپنے سوت کو مضبوط کا تئے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کر ڈالا۔ تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ

تعالیٰ ہن قسموں سے اور واضح فرمادے گا تمہارے لئے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

شرح:- اسلام سے پہلے عرب کے مشرق قبائل کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک قبیلہ سے دوستی کا معاهدہ کرتے۔ اس کے بعد اگر انھیں موقع ملتا تو کسی دوسرے قبیلہ سے جو قوت اور دولت میں پہلے قبیلہ سے فزوں تر ہوتا اس کے ساتھ معاهدہ کرتے خواہ یہ ان کا نیا دوست قبیلہ ان کے پہلے معاهدہ قبیلہ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرزند ان اسلام کو اس اخلاقی گراوٹ اور عہد شکنی سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی ہے ہیں کہ تم یہ روشن ہرگز اختیار نہ کرو۔ تم نے جو معاهدہ کیا ہے، اس کو نبھاؤ اور جو پیمان باندھا ہے اس کو پورا کرو۔ اس خیال سے کہ نیا قبیلہ قوت اور دولت میں پہلے دوست قبیلہ سے زیادہ ہے اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ معاهدہ کو بلا وجہ توڑ دیا جائے اور نیا معاهدہ اس قبیلہ سے کیا جائے۔ ایسا کرنا تمہارے مقام سے بہت فروتن ہے۔ تم تو مکارم اخلاق کے داعی بن کر بھیجے گئے ہو۔ اگر تم نے ایسی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا تو لوگ مکارم اخلاق کا درس کس سے جا کر لیں گے۔ سیرت کی پختگی اور اطوار کی پاکیزگی کا نمونہ انہیں کہاں سے دستیاب ہوگا۔ اور اس عہد شکنی کو اپنی سیاسی فراست وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کر کے اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری مثال اُس احمق عورت کی سی ہوگی جو دن بھر سوت کاتی رہتی ہے اور شام ہوتی ہے تو اُس کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کر کے جس حماقت کا تم ثبوت دو گے وہ اس عورت کی بے وقوفی سے کم ہرگز نہیں ہوگا۔ **دخل: ماید حل**

فی الشیٰ و لم یکن منه کسی چیز میں ایسی چیز ملانا جو اس سے نہ ہو، اس کا معنی دغا بازی اور فریب کاری ہے۔ وعدوں کو پابندی سے نجھانا ایک بڑی آزمائش ہے۔ ایفاء عہد کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے، کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم اسلام کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرنے کی ہمت اور جرأت کا ثبوت بھم پہنچاتے ہو۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُيَضِّلُّ مَنْ يَشَاءُ وَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ طَ وَ لَتُسَئَّلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿انحل: ۹۳﴾

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تمہیں ایک امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم سے ضرور باز پرس کی جائے گی اُن اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے“۔

تشريع:- جن کو اللہ تعالیٰ نظر انداز کر دیتا ہے وہ راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور اس کی توفیق جس شخص کی دشگیری فرماتی ہے وہی ثابت قدمی سے صراطِ مستقیم پر گام زن رہتا ہے۔

وَ لَا تَتَخِذُ وَآءِيَا نَكْمَ دَخْلًا بَيْنَكُمْ فَتَرِكَ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَ تَذَوُّقُوا السُّوَاءَ بِمَا صَدَّقْتُمُ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿انحل: ۹۴﴾

”اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ ورنہ (جادہ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور

تمہیں چکھنا پڑیگا (اس کا) بُرا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا اور تمہارے لئے بڑا (دردناک) عذاب ہوگا۔

تشریح:- یہاں ایک بار پھر عہد شکنی اور دوستوں سے غدر اور دھوکہ بازی سے روکا جا رہا ہے نیز عہد شکنی وغیرہ پر جو بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف بھی ملتِ اسلامیہ کی توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے عہد شکنی کی تو اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی عہد شکنی کا بہانہ مل جائے گا نیز جب تمہاری عہد شکنی کا پردہ چاک ہوگا تو تمہاری اس حرکت کو دیکھ کر لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور ان کا یہ کہنا بے جا ہوگا کہ جب اس دین کے پہلے ماننے والے ایسی خیس حرکتیں کرتے ہیں تو ایسے دین کو دُور سے ہی سوسلام۔ اس کے علاوہ دنیا میں تمہارا بھرم کھل جائے گا۔ اور تمہارے قول و قرار پر کسی کو اعتماد نہیں رہے گا۔ جس طرح تم اپنے معاملات اور معاهدات میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو تمہارے دوست بھی تمہارے ساتھ مخلصانہ برتاب نہیں کریں گے۔ یہ ساری خرابیاں جو تمہاری عہد شکنی پر مرتب ہونگی ان کے تم ذمہ دار ہو گے۔ اور تمہیں اس کی سزا بھگلتی ہوگی۔ قرآن حکیم کی یہ تعلیمات کتنی واضح ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو معاهدہ کی ہر قیمت پر پابندی کا کتنا صاف حکم دے رہا ہے۔ کتنی خوبی سے ان بُرے نتائج کی نشاندہی فرمائی۔ جو ایک مسلمان کی عہد شکنی پر مرتب ہوتے ہیں۔

اگر ہم حقیقت پسند بننا گوارا کریں اور حالات کا صحیح جائزہ لینے کی ہمت

بھی رکھتے ہوں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تبلیغِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری اپنی بد اعمالیاں ہیں۔ ورنہ اس دور میں جب کہ آمد و رفت کے ذرائع آسان ہو گئے ہیں اور تبلیغ و اشاعت کے وسائل سہل بھی ہیں اور ارزال بھی۔ نورِ اسلام سے وسیع علاقوں کے مرحوم رہنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

عقل نے وحی سے رشتہ منقطع کر کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن اس کی ہر ایسی کوشش کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلا۔ انسان ہر قسم کے خود ساختہ ازموں کو آزماتے آزماتے دل برداشتہ ہو گیا ہے۔ اب وہ محسوس کرنے لگا ہے کہ عقل کی آنکھ وحی الٰہی کے بغیر بینا نہیں ہو سکتی تشنہ لب قوموں کو اسلام کے چشمہ شیریں سے اپنی پیاس بجھانے کی دعوت دینے کا اب بہترین وقت تھا۔ لیکن ہم نے اپنی بد کرداریوں کے خس و خاشاک سے اس چشمہ کو اتنا گدلا اور مکدر کر دیا ہے کہ کوئی اس طرف رُخ کرنے کی خواہش ہی نہیں کرتا۔

قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح طور پر بتا دیا کہ اگر تم نے فریب دہی، عہد شکنی اور دیگر رذائل سے اپنی سیرت کا دامن آلودہ کر لیا تو یاد رکھو اشاعتِ دین کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تم ہو گے۔ اور اس عجینِ جرم کے نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ تزویہ السوء کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں۔ اب ہم اس کوتاہی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ذوق السوء فی الدنیا ہو ما یحل بهم من المکروہ۔ (قرطبی)۔

وَلَا تَشْتَرُوا إِيمَانَ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ حَيْثُ شَاءَ

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ (آل ہل: 95)

”اور مت بچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔“

تشریح:- جن فوائد اور منافع کے پیش نظر تم عہد شکنی کر رہے ہو۔ وہ تمہاری نظر میں بڑے اہم کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فوائد اور منافع تمہارے قول وقرار کی بہت ہی گھٹیا قیمت ہیں اور اتنی سستی قیمت پر مومن کو اپنا قول وقرار بیچتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ اس آیت مبارکہ میں ان حکام اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والوں کو تنبیہ کی کہ تم نے یہ منصب سنچالتے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی تھی۔ اب تم اس کو سراسر پس پشت ڈال کر من مانیاں کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یہ سودا منظور ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَقْدُرُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقِطٌ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ
صَبَرُوا أَجْرَهُمُ بِالْخُسْنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

”جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجران کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔“ (النحل: 96)

تشریح:- عہد شکنی، رشوتوں تسانی، چور بازاری اور دیگر ناجائز وسائل سے تم کتنا مال کیوں نہ فراہم کرو، وہ ختم ہونے والا اور فتاہونے والا ہے لیکن اللہ

تعالیٰ کی رحمت کے خزانے بے پایاں ہیں وہ ختم نہیں ہوتے۔ تم باقی کے بد لے فانی کو کیوں پسند کر رہے ہو۔ تم دنیا کے لاچ کے باعث رب کریم کو ناراض کرنے کی غلطی نہ کرو۔ وہ تمہیں اپنے خزانۂ غیب سے ایسی برکتیں مرحمت فرمائے گا جو تمہاری ساری ضروریات کی کفیل بن جائیں گی۔

ایضاً عہد کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خود جو عمل کر کے دیکھایا، ہمیں اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ آپ کی خدمت میں ایک واقعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

عبداللہ بن ابی الحماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو کوئی چیز فروخت کی لیکن جو چیز میں نے فروخت کی وہ ساری کی ساری اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں پیش نہ کر سکا، اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ میں نے وعدہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم یہاں ٹھہریں میں ابھی بقیہ لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ میں چلا گیا، مجھے یہ بات بھول گئی اور دیگر کاموں میں مصروف ہو گیا۔ تین دن کے بعد مجھے اچانک یاد آیا کہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ وعدہ کر آیا تھا کہ میں بقیہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو لا کر دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میرا انتظار کریں۔ جب میں وہ چیز لے کر وہاں پہنچا تو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اُسی جگہ تشریف فرماتھے جہاں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو چھوڑ کر گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے کسی

نارِ اصلگی اور غصب کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنے من مونے انداز میں اتنا فرمایا۔

يَا فَتْيَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَىٰ وَأَنَاهُنَا مُنْذُثَلَاتٍ أَنْتَ طِرُكَ

”اے نوجوان! تو نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے میں تین دن سے
یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں“۔

(ضیاء النبی ﷺ جلد 5 صفحہ 364، حوالہ الشفاء، جلد 1)

اس موضوع کو حکم الحاکمین کے اس پُر جلال فرمان بے مثال پر ختم
کرتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْرُؤُنَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَآيُّمَا نِهَمُ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَئِكَ لَا خَلَقَ لَهُمْ فِي الْأَخِرَةِ وَلَا يُحِلُّهُمُ اللَّهُ وَلَا
يُنْظَرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
الْأَلِيمُ ﴿۷۷﴾ (آل عمران: 77)

”بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے
عرض تھوڑی سی قیمت یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لیے
آخرت میں اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی
نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اور نہ پاک کریگا انہیں اور ان کے
لیے دردناک عذاب ہے۔“

تشریح:- کبیرہ گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان میں سے
عہد شکنی اور وعدہ خلافی پر جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ کسی دوسرے گناہ کے لیے تجویز
نہیں کی گئی۔ عہد شکنی کے لیے پانچ سزاوں کا یہاں ذکر ہے۔ (1) وہ آخرت کی

نعمتوں سے یکسر محروم کر دیا جائے گا۔ (2) رحمٰن و رحیم خدا اُس سے بات تک نہ فرمائے گا۔ (3) اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے بھی وہ محروم رہے گا۔ (4) گناہ کی آلاتشوں سے بھی اُسے پاک نہیں کیا جائے گا اور (5) اس کے علاوہ اُسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

کوئی ہے! ایسا دل گردے والا جو ان سزاوں کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو؟ قرآنِ پاک کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اگر اس پر ہبہ و پُر جلال آیتِ مبارکہ کو پڑھنے کے بعد بھی اپنے وعدہ کی پابند نہیں بنے گی تو کب بنے گی؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشادِ گرامی بھی پڑھ لیجئے۔

منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان خیال کرے۔ 1. جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، 2. جب وعدہ کرے تو ایفاء نہ کرے، 3. جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اُس میں خیانت کرے۔ آیتِ مبارکہ میں دو وعدوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ وعدہ جو بندہ اپنے رب کے ساتھ اُس کی بندگی اور فرمانبرداری کے متعلق کرتا ہے اور دوسرا وہ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ دونوں کی خلاف ورزی پر یہ وعید ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص گناہ کے ارتکاب کی قسم اٹھاتا ہے یعنی اُس نے قسم اٹھائی کہ نماز نہیں پڑھے گا، شراب پئے گا، یا ماں باپ کو اذیت پہنچائے گا تو اُس قسم کا توڑنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک نیکی پر برابر نیختہ کرنے کے لیے ہے نہ کہ بُرائی اور گناہ پر اُس کا نہ کے لیے۔

أَبْ يَأْرِشَادَ رَبِّ الْعَالَمِينَ مُلَا حَظَهُ هُوَ.

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

لِيُذِيقُّهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا عَلَيْهِمْ يَرْجُعُونَ^(٣)

”پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتو توں کے جو لوگوں نے کیے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا (برے) اعمال کی شاید وہ باز آ جائیں۔“ (سورۃ الروم آیت نمبر 41)

تشریح:- دُنیا میں امن و سکون تو تب ہی برقرار رہ سکتا ہے کہ ہر شخص اپنا فرض پُوری دیانتداری سے ادا کرے۔ ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں اور ان سے بہرہ اندوڑ ہونے کی پُوری آزادی ہو۔ جب لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتا ہی اور بد دیانتی سے کام لینے لگتے ہیں یا جب کسی کے حقوق غصب کر لیے جاتے ہیں، تو پھر بحر و بر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑ کنے لگتے ہیں۔

ہر شخص کے فرائض کیا ہیں جو اسے ادا کرنے چاہئیں؟ اور ہر شخص کے حقوق کیا ہیں جو اسے ملنے چاہئیں، ان کا تعین دین اسلام نے کیا ہے جو دین فطرت ہے اور جو اس خالق و مالک کا دین ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کے فطری تقاضوں کو پورا کیا اور ان کی تسکین کے سامان بڑی فیاضی سے مہیا فرمادیے۔ جس قدر بھی کسی قوم نے اس نظام حیات کو اپنایا اسی قدر ان کی زندگیاں اور ان کا ماحول خوشی اور سرست سے ہمکنار ہوا۔ اور جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام سے روگردانی کی وہاں سے اسی انداز سے امن و سکون رخصت ہوا اور بے چینی اور اضطراب کے اندر ہیرے وہاں پھیلنے لگے۔ عقائد کی قوت مسلم ہے۔ عملی

زندگی میں ان پر مرتب ہونے والے نیک و بد اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جب عقائد صحیح ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ عالیہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے تو قلب و رُوح کی دُنیا میں بہار آہی جاتی ہے۔ عملی دُنیا میں بھی دیانتدای، اخلاص، حق گولی، جرأت، بے نیازی اور استغناء کے پھول مہکنے لگتے ہیں اور جہاں بندے کا تعلق اپنے ربِ کریم سے ٹوٹ جاتا ہے۔ جہاں کفر و شرک کی عفونت پھیل جاتی ہے، وہاں انسان کی عملی زندگی بھی بدکار یوں، بد اعمالیوں کی آماجگاہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اگر وہ طاقتوں ہے تو شتر بے مہار بن کر لوگوں کے حقوق پامال کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہے تو گرے ہوئے سُوکھے پتے کی طرح ہچکو لے کھاتا ہے، اسے کہیں قرار نہیں ملتا۔ وہ خیس ترین حرکات کے ارتکاب سے بھی نہیں شرما تا۔

جس معاشرہ میں انسان کی جان، مال اور عزت و ناموس محفوظ نہ ہو کیا وہاں امن و سکون میسر آسکتا ہے؟ آپ عہدِ جاہلیت کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں ہر ملک میں آپ کو اس آیتِ مبارکہ کی عملی تفسیر دکھائی دینے لگے گی۔ اور آپ عصرِ حاضر کے حالات کا جائزہ لیں، تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کو خدا فراموشی، نوامیں فطرت سے سرتاہی اور اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح حل رہی ہے۔ نہ خشکی پر کہیں امن ہے، نہ سمندر کی بیکراں و سعنوں میں کہیں گوشہ عافیت نظر آتا ہے، زمین پر جگہ جگہ میزائلوں کے اڈے قائم ہیں جہاں سے ایک بڑا عظیم سے دوسرے بڑا عظیم پر ایتم بہم برسا کر ہر چیز کو خاک سیاہ بنایا جاسکتا ہے اور سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کو ابليتے

ہوئے جہنم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کڑہ ہوائی میں بڑی بلندیوں پر امریکہ کا ہوائی بیڑہ جو ہزاروں طیاروں پر مشتمل ہے ہر وقت مصروف پرواز رہتا ہے۔ اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم فٹ کر دیئے گئے ہیں۔ ایک سکنل سے وہ کہرام رستاخیز برپا کر سکتے ہیں۔ بڑی قوتیں مہلک سے مہلک اسلحہ بنانے کی وَوْڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے مُلکی ثروت کو پانی کی طرح بہار ہی ہیں۔ خانگی زندگی بھی ہماری بداعمالیوں سے جنم لینے والے فساد سے محفوظ نہیں، میاں بیوی کے درمیان اعتماد جو خانگی زندگی کی مسروتوں کے لیے شرطِ اول ہے تیزی سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں، غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دلوں میں چھوٹوں کے لیے شفقت نہیں رہی، چھوٹوں کی آنکھیں شرم و حیا کے نور سے محروم ہو گئی ہیں اور اپنے سے بڑوں کی پگڑی اچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ جب ہمارے گرد و پیش اس قسم کے حالات ہوں تو پھر اس آیتِ مبارکہ کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ آیتِ مبارکہ کے آخری حصہ کی تشریح ضیاء القرآن میں اس خوبصورت انداز میں لکھی ہے۔

کہ اپنے چمن حیات کو جن خاردار جھاڑیوں سے لوگوں نے بھر دیا ہے اس کے کائنٹوں کی چھن تو وہ بھی محسوس کریں اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کی سزا وہ بھی تو چکھیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شاید وہ لوگ اپنے اعمال بد کی تباہ کاریوں سے عبرت حاصل کریں اور موت سے قبل اپنی اصلاح کر لیں۔

اُب پھر نہایت ادب اور انتہائی معدرت کے ساتھ ان اہل علم کی خدمت میں عرض گزار ہوں، جو مصلحت سے کام لیتے ہوئے وہ احکام الہی جن میں حلال و حرام کے متعلق بتایا گیا ہے مسلمانوں کو پڑھ کر نہیں سنا تے، اپنے حلقة احباب میں حرام سے بچنے کی ہدایت نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگ جو حرام کار و بار کر رہے ہیں ان کے اُس حرام کار و بار کا علم ہونے کے باوجود وہ، ان کے گھروں میں جا کر ان کے کار و بار میں وسعت اور ترقی کی دُعا میں کرتے ہیں۔

کیا آپ نے قرآنِ کریم میں یہ ارشادِ خداوندی نہیں پڑھا؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَجْبَارِ وَ الرَّهْبَانِ

لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلٍ

اللَّهُ طَوَّافُ الَّذِينَ يَكْنِزُونَ اللَّهَ هَبَ وَ الْفِضْلَةَ وَ لَا يُنِيبُونَهَا

فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَفَبِشِرُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ^{۲۲}

”آے ایمان والو! بیشک پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہِ خدا سے اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تو انہیں خوشخبری سنادیجیے دردناک عذاب کی،“ (التوبہ: 34)

تشريع:- قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر بن اسرائیل کے عالموں اور راہبوں نے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال لوٹا شروع کر دیا۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کو قرون وسطیٰ میں جو تسلط اور اقتدار حاصل رہا اس سے انہوں نے کس طرح ناجائز فائدہ اٹھایا اور کس بے

دردی سے اپنے عقیدت مندوں کی دولت کو ہتھیا یا اس کی روداد بڑی دلچسپ اور بڑی المناک ہے۔ کیتوں کفر و فرقہ کا پوپ جنت کے ٹکٹ قیمتاً فروخت کیا کرتا تھا۔ اسکے نائب بھی بخشش گناہ کے پروانے لکھ کر دیا کرتے تھے اور خریدار اپنی مالی استطاعت کے مطابق اس کی قیمت ادا کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں، شہزادوں، امراء، وزراء اور قوم کے دولتمند طبقہ کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے اور اس طرح ان سے مُنہ مانگے نذرانے وصول کرتے۔ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ کرتے اس کے علاوہ اور متعدد طریقے تھے جن سے وہ دولت کے پُجارتی دولت جمع کرنے میں شب و روز مصروف رہا کرتے۔ لیکن یہ چیز کبھی ذہن سے نہ اترے کہ یہی بد کاریاں اگر اسلام کے عالم اور پیر کریں گے تو وہ بھی اسی طرح مجرم قرار دیئے جائیں گے بلکہ ان کا جرم اور زیادہ سنگین ہو گا کیونکہ وہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی آخری شریعت کے امین اور نگہبان ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنی حص کی تکمیل کیلے یہ نازیبا حرکتیں کرتے بلکہ وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو حق قبول کرنے سے بھی تنفر کرتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھاندلی اس وقت تک رہے گی جب تک لوگ ان کے دام فریب میں گرفتار ہیں اور اگر اس کے پُر زے اڑ گئے تو پھر یہ سادہ لوح ان کے قابو میں آنے کے نہیں۔

اگرچہ بعض علماء نے اس آیت مبارکہ کو بھی اہل کتاب سے مخصوص کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس میں اہل کتاب اور مسلمان سب داخل ہیں۔ جس

میں یہ خرابی ہو گی وہ اس سزا کا مستحق ہو گا۔ و قال ابوذر و غيره المراد بها اهل الكتب و غيرهم من المسلمين وهو الصحيح (قرطبي)۔ کیونکہ اگر صرف اہل کتاب مراد ہوتے تو پھر الّذین کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔
کنز لغت میں اس مال کو کہتے ہیں جسے اکٹھا کر کے جمع کر دیا جائے۔

الكنز اصلہ فی اللغة الضم والجمع۔ اس آیت کے متعلق صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ وہ مال جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کو جمع کر کے رکھنے کی یہی سزا ہے جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔ لیکن جمہور صحابہ جن میں خلفاء راشدین بھی ہیں کامذہب یہ ہے کہ ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ ان الکنزا سم لمالم یؤدّذ کاتھ المفرضة (حصاص) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ سات زمینوں کے نیچے مدفون ہوا اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔

مائادی زکاتہ فلیس بکنزا وان کان تحت سبع ارضیں ومالم تو دذ کاتھ فهو کنز وان کان ظاہرا (المنار) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے عہدہ ہمایوں میں بھی مال دار صحابہ (حضرت عثمان و عبد الرحمن رضوان اللہ علیہم اجمعین) موجود تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انہیں کبھی حکم نہیں دیا کہ تم سارا مال صدقہ کر دو بلکہ حضرت سعد بن ابی وقار رضی اللہ عنہ نے جب اپنا سارا مال را ہدایہ میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے منع فرمایا۔ ہاں اگر صورت حال نازک ہو جائے، عام قحط سالی کا دور دورہ

ہو، لوگ فاقوں مرنے ہے ہوں، بیت المال خالی ہو چکا ہو۔ اس وقت صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ حاکم وقت ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے زیادہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ ان حالات میں دولت کا جمع رکھنا بھی جائز نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے طفیل ہمیں دردناک انجام سے بچنے کی توفیق ارزانی فرمائے، (آمین ثم آمین)

آپ کی خدمت میں پیر محمد کرم شاہ الا زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں واقعہ معراج سے ایک چھوٹا سا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

اس سفر مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اپنی قدرت کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا نیز چند اعمال پر مرتب ہونے والے اثرات اور عواقب کو مخصوص پیکر میں پیش کیا گیا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے امتی ان سے عبرت حاصل کر سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا گزرائی قوم کے پاس سے ہوا جن کے سروں کو کوٹا جا رہا تھا وہ پھر فوراً پہلے کی طرح درست ہو جاتے، یہ سلسلہ لگاتار جاری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائیگی نہیں کرتے۔ پھر ایسی قوم دکھائی جن کے آگے پیچھے چیتھڑے تھے وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح اونٹ اور بکریاں چرتی ہیں اور ضریع (ایک خاردار کڑوی بوٹی) اور ز قوم کھار ہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

واصحابہ وسلم نے پوچھا اے جبریل یہ کون ہیں؟ عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے
مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ پھر ایک
ایسی قوم دکھائی دی جن کے پاس ایک ہانڈی میں پکا ہوا لذیذ گوشت ہے اور
دوسری میں بد بودار گوشت ہے۔ وہ لوگ پاک اور لذیذ گوشت کو نہیں کھاتے اور
اس ردی اور بد بودار گوشت پر ٹوٹے پڑتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
 وسلم نے ان کے بارے پوچھا تو انہوں نے عرض کی یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
واصحابہ وسلم کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیویاں ہیں
لیکن وہ بد کار عورتوں کے ساتھ رات گزارتے ہیں۔ یہی حال اس عورت کا ہوگا
جو حلال اور طیب خاوند کی موجودگی میں خبیث آدمی کی طرف رجوع کرتی ہے۔
پھر راستہ میں ایک لکڑی کے پاس سے گزر ہوا جو چیز یا کپڑا اس کے نزدیک
ہوتا ہے اس کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو جبریل نے
جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو راستوں پر کچھری لگا کر بیٹھیں گے
اور لوگوں کا راستہ کا ٹیک گے پھر ایک آدمی کو دیکھا جو خون کی نہر میں تیر رہا ہے
اور اسکے منہ میں پتھر ڈالے جا رہے ہیں پوچھنے پر جبریل نے بتایا یہ سود خور ہے
پھر ایک ایسا آدمی نظر آیا جس نے بڑی بھاری گٹھڑی باندھی ہوئی ہے لیکن وہ اس
کو اٹھا نہیں سکتا اور اس گٹھڑی میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ واصحابہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہے عرض کی یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس
کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں گی اور وہ ان کو ادا نہیں کرے گا اور مزید امانتیں
رکھنے کا خواہش مند ہوگا پھر یہ ہیبت ناک منظر دکھائی دیا کہ قینچی کے ساتھ ایک قوم

کی زبانیں اور ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں وہ زبانیں اور ہونٹ کٹنے کے بعد پھر جوں کے توں ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جبریل سے پوچھایہ کون ہیں؟ جبریل نے عرض کی۔

هُوَلَاءِ خُطَّبَاءُ الْفِتْنَةِ مِنْ أُمَّتِكَ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

”یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں جو دوسروں کو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔“

پھر ایسے لوگ نظر آئے جن کے ناخن تانبے کے ہیں اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے کھرچ رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے ان کے بارے میں عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی عزتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں۔

وہ لوگ ”جوملتِ اسلامیہ“ میں اپنے مفادات کی خاطر فتنہ و فساد برپا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اپنے خالق و مالک کا یہ فرمان ذیشان پڑھیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَ لَا تَفَرَّقُوا ۝ وَ اذْكُرُوا
نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءَ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَآصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۝ وَ كُنْتُمْ عَلَى شَفَاعَ حُفَرَةٍ قِنَّ
الثَّارِ ۝ فَانْقَذَكُمْ مِنْهَا ۝ كُذِلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَيْتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

”اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ تعالیٰ کی رسی سب مل کر اور جدا جانا ہے ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے

(آپس میں) دشمن پس اُس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچالیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یوں ہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو۔ (سورہ آل عمران آیت نمبر 103)

شرح: جبل کا لغوی معنی ہے السبب الذی یوصل به الی البغیة (القرطبي) یعنی وہ چیز جو مقصد تک پہنچنے کا سبب ہو لیکن اس کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ وہ پٹھہ جو گردن کو کندھوں سے ملاتا ہے اسے بھی جبل کہتے ہیں۔ والجبل الرسن والجبل العهد۔ جبل کا معنی رسی بھی ہے اور عہد بھی۔ حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب وابن مسعود وابوسعید الحذری رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے روایت فرمائی ہے جبل اللہ القرآن۔ اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن ہے۔ اسلاف سے جبل اللہ کی تفسیر میں جو متعدد اقوال منقول ہیں ان میں تضاد نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے موئید اور موافق ہیں۔

زندگی کی اس رزمگاہ میں جہاں شکست و ریخت، تعمیر و تخریب اور فنا و بقا کا نہ ختم ہونے والا چکر چل رہا ہے کوئی قوم عزت و وقار سے زندہ وسلامت نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد میں اتفاق و اتحاد نہ ہو۔ اور کوئی اتحاد پائندہ و پائندار نہیں ہو سکتا جب تک محاکم اور حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت نہ تعمیر کی گئی ہو۔ امتن مسلمہ جو کہ دولتِ رشد و ہدایت کی امین اور رحمتِ خداوندی کی قاسم

بنانے کرنے بھی گئی ہے۔ جسے ہر باطل سے ٹکرانا ہے اور ٹکرا کر اسے پاش پاش کرنا ہے۔ جسے قلب و نظر کے سارے صہم کدے مسماڑ کرنے ہیں۔ جسے ہر دل کو بیت اللہ اور ہر زگاہ کو اُس کا شناسا بانا نا ہے۔ اس قوم کیلئے ضروری ہے کہ اپنے لیے نہ سہی اپنے بلند اور پاکیزہ مقصد کے لیے زندہ رہے اور عزت وقار سے زندہ رہے تاکہ اُس کی آواز سُنی جائے اور مانی جائے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں کہ اس کے افراد میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اور وہ اتحاد و اتفاق سطحی نہ ہو، جسے کوئی مذہبی تیز لہر بہا کر لے جاسکے بلکہ حقیقی اور پائدار ہو۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد ہونے کا بھی حکم دیا اور ان کے لیے وہ مستحکم بنیاد مقرر فرمائی جس سے محکم تر کوئی اور بنیاد نہیں ہو سکتی۔ وہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم پر عمل کرنے کے لیے اس کا صحیح سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس کی صحیح سمجھ اس ذاتِ اقدس واطہر کے بیان اور تفسیر کے بغیر ناممکن ہے جسے قرآن پاک نازل کرنے والے خدا نے بھیجا ہی قرآن پاک کو صحیح صحیح سمجھانے کے لیے تھا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا اور خوب فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اعتقاد اور عمل ا کتاب و سنت کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اسی طرح اتفاق و اتحاد کی نعمت میسر آ سکتی ہے۔ جس سے ہمارے دین و دنیا کے حالات سنور سکتے ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل جزیرہ نما عرب کی کیا حالت تھی۔ وہ آپس میں انس و محبت اور شفقت و رحمت کرنے والے انسانوں کا ملک نہیں تھا بلکہ ایک کوہ آتش فشاں تھا جس سے ہر لمحہ

بعض و عناد کی آگ برستی رہتی تھی اور دُور دُور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہو جایا کرتی تھیں۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برس پیکار تھا۔ ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے جنگ آزماتھا۔ جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں۔ ایک بار اگر جنگ کی آگ سُلگ پڑتی تھی تو صد یوں تک اس کے شعلے بھڑ کتے رہتے تھے۔ اوس و خزر ج میں لڑائی کا سلسہ ایک سو بیس ۲۰ سال تک جاری رہا۔ کسی کی جان، کسی کامال محفوظ نہ تھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا بادل آیا اور رحمتِ خداوندی بن کر برسا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سراپا نور و سور کا ظہور ہوا تو عرب کے اجزے دیار میں بہار آگئی۔ عداوت کی جگہ محبت نے، وحشت کی جگہ انس نے، انتقام کی جگہ عفونے، خود غرضی کی جگہ اخلاص و ایثار نے اور غرور و تکبر کی جگہ تواضع و انکسار نے لے لی۔ یہ وہ انقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جس کی برکت سے عرب کے صحرائشینوں نے تاریخ عالم کا رُخ موڑ دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اسی احسانِ عظیم کی یاد تازہ کر رہا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی برکت اور فیضِ نگاہ سے تمہارے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیئے اور تمہیں بھائی بھائی بنادیا۔ اور ذلت و رسولی کی پستیوں سے نکال کر ترقی و عزت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے، بس آنکھ بند کرنے کی دریتی اور تم اس گڑھے میں گر پڑتے۔ لیکن رحمتِ الہی نے تمہاری دشگیری کی اور تمہیں آتشِ جہنم میں گرنے سے بچالیا۔ ان احسانات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ اور اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور اپنی صفوں میں انتشار کو جگہ نہ دو۔ اس آیت

کریمہ کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اور ان کے متعلق ہی خدا نے بصیر و خبیر فرمادا ہے کہ میں نے ان کے دل جوڑ دیئے۔ انہیں بھائی بھائی بنادیا۔ ان کو دوزخ سے نکال لیا۔ اب جو لوگ ان نفوسِ قدسیہ پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں وہ خود ہی ذرا انصاف کریں اور بتائیں کہ وہ کون لوگ تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے شیر و شکر کیا تھا۔ وہ کون تھے جن کو دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنت میں پہنچایا تھا۔ حقیقت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض نہیں بلکہ قرآن کریم پر، اسلام پر اور پیغمبر اسلام پر براہ راست اعتراض ہے۔ اور جن کے ذہن فتنہ زاد نے ان شکوک کو جنم دیا تھا ان کے پیش نظر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مطعون کرنا نہیں تھا بلکہ چاہکدستی سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کو داغدار کرنا تھا کہ یہ ہیں تمہارے اس نبی کے اولین شاگرد جس کی قصیدہ خوانی سے تم رات دن آسمان سر پر اٹھائے رکھتے ہو۔ ان اعتراضات کرنے والوں پر تو ہمیں حیرت نہیں، افسوس ہمیں ان مسلمانوں پر ہے جو دشمن کے اس دام فریب میں پھنس جاتے ہیں اور ان مقدس ہستیوں کے متعلق بے باکی کی جرأت کرتے ہیں جن کے دفتر حیات کی ہر سطر آفتاً و مہتاب سے تابندہ تر ہے۔

قارئین کرام! اس آیت مبارکہ کی تشریح میں ایک نیا موضوع شروع ہوا ہے اور وہ ہے۔

عظمتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اس موضوع پر آپ

کی خدمت میں قرآن کریم کی تین آیات مقدسہ پیش کرتا ہوں و یے تو پورے کا پورا قرآن پاک نبی کریم رَوْف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور آپ کے جان شار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دشمنوں کی ندامت سے بھرا ہوا ہے لیکن یہاں صرف تین آیات کریمہ پیش کرتا ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ
الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهَ قُلُوبَهُمْ لِتَتَقَوَّىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
عَظِيمٌ ﴿٣﴾ (الحجرات: ۳)

”بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے۔ انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

شرح:- اب ان لوگوں پر اپنی عنایات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ادب و احترام کو ملاحظہ رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہاں کرنے سے پہلے اس کے دو لفظوں کی تشریح کرنا ضروری ہے۔

يَعْصُّونَ: غض البصر۔ آنکھیں نیچی کرنا۔ غض الصوت: آواز کو آہستہ کرنا۔

امتحن: علامہ ابی عبد اللہ قرطبی نے علمائے لغت و فسیر کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

قال الفراء: ای احلاصہ الالائقوی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان بادب حضرات کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا ہے۔

قال الاخفش: اختصہا۔ خفشن کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں الامتحان افعال من محنت الادیم محناحتی او سعته فیعنی امتحن اللہ قلوبہم للتفوی وسّعها و شحها للتفوی۔ یعنی امتحان باب افعال ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چمڑے کو کھلا کرنا، اس مفہوم کے پیش نظر آیت کا معنی ہو گا کہ ہم نے ان کے دلوں کو تقویٰ اور پر ہیزگاری کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے۔ وہ تقویٰ کی راہ پر چلتے ہوئے کوئی گھشن یا بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ علامہ زمخشیری نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے، لکھتے ہیں۔ من قولك امتحن فلاں لامر كذا و جرب له و درب للنهوض به فهو مضطلم به غير وان عنہ (کشاف) یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کا ٹوکرہ اور عادی بن جائے اور اسے اس کی خوب مشق کرادی جائے تو عرب کہتے ہیں امتحن فلاں لامر کذا۔ جب کوئی شخص مسلسل ریاضت اور مشق سے کسی چیز کا عادی بن جاتا ہے اس وقت وہ اس بارگراں کو آسانی سے اٹھا لیتا ہے اور اس میں کسی ضعف اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

ان لغوی تحقیقات کے بعد اب اس آیت کو غور سے پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں ہم ان پر تین خصوصی احسان فرماتے ہیں۔ پہلا احسان تو یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں کو تقویٰ کا عادی بنادیتے ہیں۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ دوسرا احسان یہ ہے کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو ہم بخش دیتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ ہم انہیں اجر عظیم سے بہرہ در فرمائیں گے۔ مغفرت اور اجر کی تنکیر، تعظیم کے لیے ہے اور اجر کو عظیم سے موصوف کر کے اس کی عظمت میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ اجر ایسا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔

قارئین کرام! اس آیت مبارکہ کے مخاطب کون لوگ تھے؟ کیا وہ خوش بخت لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھی یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ تھے؟ یقیناً وہ خوش نصیب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی تھے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صراحةً اعلان فرمادیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنادیا ہے اور ان کی آنکھوں میں اسے یوں آراستہ کر دیا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کفر و فسق کی نفرت اور بعض ان کے دلوں میں یوں پیدا کر دیا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جن نفوسِ قدیمه کی حالت کلامِ الہی میں ان نورانی الفاظ سے بیان کی گئی ہو ان کے ایمان کے بارے میں شک کرنا اور ان کے دامن پر کچڑا چھالنا بدینکتی اور محرومی کی انتہا ہے۔

جن نفوسِ قدسیہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُؤْمِنُونَ مَنْ
حَادَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا أَبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ
إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمْ
الْأَيْمَانَ وَأَيْدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِيلِينَ فِيهَا طَرَاطِيلٌ رَّاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ
رَّاضُوا عَنْهُمْ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمْ

الْمُفْلِحُونَ ۝ (المجادلة: 22)

” تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں روای ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اُس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ سُن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے۔“

تشریح:- اس آیت کریمہ میں بڑی صراحة سے اس حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے

ہیں۔ اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نورِ ایمان اور دشمنانِ اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار اور منافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ کریم کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیتا ہے۔ ان میں سے چند قریبی رشتہوں کا صراحة ذکر فرمادیا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت بھی ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پرواٹک نہیں کرتا۔ اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جب غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا بدر و واحد کے میدانوں میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے صفات آ را ہوئے تو جو بھی ان کا مددِ مقابلہ بن انہوں نے بلا تامل اُس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

حضرت ابو عبیدہ جب میدانِ جنگ میں گئے تو ان کا باپ عبد اللہ ان کے سامنے آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی توارکے وار سے اُس کا سر قلم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو قافہ نے شانِ رسالت میں کچھ گتنا خی کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اس زور سے

وھکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آگرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پوچھا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میرے آقا اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا۔ بعد میں حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔

بدر کے دن صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو لکارا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا دعñی اکون فی الرعلة الاولی۔ میرے آقا مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء نے فرمایا:

متعنا بنفسك یا ابابکر ماتعلم انك عندی بمنزلة سمعی وبصری
”اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھا لینے دے تو
نہیں جانتا کہ تو میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہے“۔
اسی طرح حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عمر نے اپنے بھائی ابو
عبدیل کو اُحد کے روز قتل کیا۔ بدر کی جنگ میں ایک انصاری نے ان کے بھائی ابو
عزیز بن عمر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اُسے رسی سے باندھ رہا تھا تو حضرت مصعب رضی
اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اس کو خوب گس کر باندھنا، اس کی ماں بڑی
مالدار ہے، گرال قدر فدیہ ادا کرے گی۔ ابو عزیز نے کہا مصعب! تم بھائی ہو
کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تیرا میرا بھائی چارہ
ختم ہو چکا، اب یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ حضرت فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا، سیدنا علی، سیدنا حمزہ، سیدنا عبدہ رضی اللہ عنہم نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو تہ تفع کیا۔ شمع نبوت کے پروانوں نے عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کو بتادیا کہ ان کے دلوں میں صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی محبت ہے اور بس۔

یہی وہ خوش نصیب اور ارجمند حضرات ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔ یہ نقش نہ مٹ سکتا ہے نہ دھندا پڑ سکتا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے روح سے تقویت بخشی ہے۔ روح کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بالروح نور القلب وهو نور يقذفه الله تعالى في قلب من يشاء من عبادة تحصل به الطهانينة: یعنی روح سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس نور سے اُس کو طہانیت و تسکین نصیب ہوتی ہے (روح المعانی) کیونکہ اس کی وجہ سے پاکیزہ ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے اس لیے اسے بطورِ مجاز روح فرمایا گیا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے ان بندوں پر بڑا حسان تھا کہ اُس نے ان کے لوح قلب پر ایمان نقش کر دیا۔ پھر ان کے دل میں نور ڈال دیا جس سے ان کو طہانیت اور استقامت نصیب ہوئی۔ اسی کی قوت سے عشق کے امتحان میں وہ کامیاب ہوئے۔ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے ان وفا شعار سرفروشوں کو نوازا جائے گا۔ مژده جنت سنانے کے بعد فرمایا یہ وہ بلند اقبال

اور فیروز بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اب اس کی حقیقت کو ان خوش نصیبوں کے بغیر کون سمجھ سکتا ہے یا اس کی قدر و منزلت کو کون پہچان سکتا ہے جن پر یہ عنایتِ خاص فرمائی گئی۔ آخر میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنادی کہ تم ہمارے ہو اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا تاج صرف ان کو پہنانا یا جاتا ہے جو ہمارے ہوتے ہیں۔

قارئین کرام! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق اب تیسری آیت کریمہ پیش کرتا ہوں جس میں شانِ صدق اکبر رضی اللہ عنہ بیان ہوئی ہے۔ آئیے آیتِ طیبہ کی تلاوت، ترجمہ اور تشریح پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا صدقہ ہمیں اپنے ان مقبول بندوں کی محبت عطا فرمائے اور ان کا ادب و احترام بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

ارشادِ ربِ ذوالجلال ہے۔

إِلَّا تَتَصْرُّفُ وَهُوَ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا حَرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ
إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ
لَمْ تَرُوهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۚ وَ
كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَاٰ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”اگر تم مددنہ کرو گے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ تعالیٰ نے جب نکالتا ہا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے

تھے دو سے جب وہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے جب وہ فرمائے ہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلیم ان پر اور مد فرمائی، ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں اور اللہ تعالیٰ کی بات ہی ہمیشہ سر بلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ (توبہ: 40)

تشریح:- اس آیتِ پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا کہ اگر تم اس کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلس شوریٰ میں طے کر لیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم باہر نکلنے لگیں تو سب یک بارگی حملہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو شہید کر دیں۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو سدھارو۔ وامر ک ان تستصحب ابابکر (تفیر حسن عسکری) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکانہ کر سکے گا۔ صحیح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سورۃ یسین کی ابتدائی آیتیں

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا إِلَّا تَكُونَ پڑھ کر ان پر دم کیا تو ان پر غنو دگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بخیر و عافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہ ثور کے ایک غار میں آ کر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا، صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہو سکتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے خود اندر گئے۔ غار کو تمام خس و خاشاک سے صاف کیا، جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اندر تشریف لائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھا اور استراحت فرم� ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا بیتاب نگاہیں اور بیقرار دل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے روزے زیب کے مشاہدہ میں مستغرق ہے نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں۔ وہ حسن سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آؤیزیوں نے چشم فطرت کو تصویرِ حیرت بنادیا تھا۔ آج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں جلوہ فرمائے۔ اے بختِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفتتو! تم پر یہ خاک پریشان قربان اور یہ قلبِ حزیں شمار! اسی اثناء میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ زہر سارے جسم میں سراست کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بیدار ہوئے، اپنے یارِ غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں

سانپ نے ڈساتھا وہاں اپنا العابِ دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہو گئی۔

اہل مکہ تلاش میں ادھر ادھر مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے منہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہو گئے اور عرض کی یار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اگر انہوں نے جھک کر دیکھ لیا تو یہ ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ یا ابو بکر ماڈنک بائیں اللہ ثالثہما۔ اے ابو بکر! ان دونوں نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیرا اللہ تعالیٰ ہو۔ نبی کی قوتِ یقین ملاحظہ ہو۔ یہ ہے تو کل علی اللہ کا وہ مقام جوشان رسالت کے شایاں ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے اطمینان و تسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر نازل فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے صدقے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا اور وہ جس سے اُن کی ہر طرح کی پریشانی دور ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تین دن تک وہاں قیام فرماء ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی آکر کھانا پہنچا جاتیں، آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہر روز کی نئی خبریں دے جاتے اور آپ رضی اللہ عنہ کا چرد وہاں اعمربن فہیرہ رات کو ریوڑ لے آتا اور تازہ ڈودھ پیش کرتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابل اعتماد

تھے کہ کسی نے راز کو افشاء نہ کیا اور گرال قدر انعام کا لائچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ ملچا سکا۔ کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو شہید کرنے کی جوسازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی بلند ہو گئی۔

سطورِ بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیتِ مبارکہ کی تشریع کے لیے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالبِ حق کے لیے اس آیت کریمہ کا ہر کلمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی عظمت و رفتخار کا آئینہ دار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے یا رِغارضی اللہ عنہ کے لازوال صدق اور بے مثال وفا کا شاہدِ عادل ہے۔ لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعترافِ حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے۔ مناسب تو تھا کہ ضیاء القرآن کے صفات ایسے بے معنی مباحثت سے پاک رہتے لیکن اہل بیت کی آڑ میں قصرِ اسلام کو منہدم کرنے کی جوناپاک کوششیں ہو رہی ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ ان باتوں کو بھی زیر بحث لا یا جائے تا کہ سادہ لوح عوام کی غلط فہمی کا شکار ہو کر متاع ایمان کو گمنہ کر بیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو

داغدار کرنے کے جنون میں آیتِ طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اس آیتِ طیبہ کو پیش کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ کو سفرِ ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رفاقت کی ہوتی تو اُسے وجہِ شرف کہا جاسکتا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہو لیے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اس لیے اُن کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کریں اور اس طرح گرفتار کر دیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا۔ جب کفار قبائل کے نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کس نے آگاہ کیا، یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قریں دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا ہو تو

مانا پڑیگا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صدق و
وفا پر پورا بھروساتھا اس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے۔ (العیاذ
باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی وفاداری بھی مشکوک ہو
جاتی ہے۔ یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے اس راز کو افشاء کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
واصحابہ وسلم کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کر دیا اور اس لایعنی بات کو کوئی
ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق اکبر رضی
اللہ عنہ کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسولِ خدا کو اور شیرخدا کو مکمل اعتماد
ہے۔ اسی لیے ان کو اس راز سے آگاہ کیا گیا اور شریک سفر ہونے کی سعادت بھی
ارزانی فرمائی گئی۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی گواہی علیم
بذات الصدور اللہ تعالیٰ نے دی، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دی
اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی، اگر آج کا بے عمل مسلمان صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا
ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء
نے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

قارئین کرام! فارسی عبارت یہاں نہیں لکھتا صرف اردو ترجمہ لکھنے پر
ہی اکتفا کرتا ہوں اصل عبارت ضیاء القرآن شریف میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔
علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیتِ طیبہ کی تفسیر
کرتے ہوئے رقمطر از ہیں:-

ترجمہ:- رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو

مکہ مکرمہ میں امیر المؤمنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابو بکر کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔

مصنف حملہ حیدری، علامہ باذل نے واقعہ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ہے۔ شاید ان دوستوں کے لیے سُر مہ چشم بصیرت کا کام دے۔ ترجمہ:- راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انہیں سفر ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ ساز و سامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی نداد سنی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب اس حال سے خبردار ہوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ہمراہ ہو گئے۔ ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہجرت کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہوا تھا کہ وہ بھی اس سفر کے لیے ہر کاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کفار کے محاصرہ سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی روایت پیش خدمت ہے امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویل باطل کا طسم ثوث کر رہ جائے گا۔

تفیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرائیل حاضرِ خدمت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔ کفار کی ریشنہ دو انبیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغامِ الہی بھی گوش گزار کیا وَأَمَرَكَ أَنْ تَسْتَصْحِبَ أَبَا بَكْرٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پُر خطر سفر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

کیا اب بھی آپ قاضی نور اللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارہوں امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو تسلیم کریں گے۔

معترضین کی کچ ادائی کے کر شمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوصِ نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سفرِ ہجرت میں ہمراہ کا ب ہونا ان کے لیے ہرگز باعثِ فضیلت نہیں۔

یا سبحان اللہ! اس ندرتِ فکر کی بلا میں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنچا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو

ایک کامیاب تاجر ہے جس کے پاس مال و ثروت کی فراوانی ہے جسے ہر قسم کی عزت و آسائش میسر ہے، بچے ہیں، بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرائے ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں۔

عرب کا بچہ بچے اس کے خون کا پیاسا ہے، خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آ رہے ہیں، جو شخص ان نگین حالت میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نگت اختیار کرتا ہے، اُس کی خلوصِ نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے۔

مزید برآل غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے اس عرصہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبد اللہ ہر روز سر شام حاضر ہوتا ہے اور اہل مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر یوڑ چراتا ہے شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آ کر ڈیرا جماتا ہے، دودھ دو ہوتا ہے اسے گرم کرتا ہے اور خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا خانوادہ اس جانشنازی اور خدمت گزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کو اعلان کر دیا ہے۔ عرب کے کئی طالع آزمائشوار اس انعام کے لائق میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تلاش میں اس علاقہ کے چپے چپے کو چھان رہے ہیں، ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں حتیٰ کہ زرخ یہ غلام سب

کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بخیر و عافیت منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کی حُسن نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہِ حق میں کبھی کا نٹا تک چھپنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

پھر کہتے ہیں کہ لغتِ عرب میں صاحب کا معنی ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف و فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی اور ہمنشین ہو سکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے۔

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِإِلَيْنِي خَلَقْتَ مِنْ تُرَابٍ (کہف: 37)

یعنی ”جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔“ اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مراد کافر ہے۔ سورہ یوسف میں ہے

يَصَاحِبَ السِّجْنِ۔ ”أَقَيْدَ خَانَةَ كَدْ وَسَاتَھِيُو۔“ (41:12)

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہلِ عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب (ساتھی) کہہ دیا کرتے۔

انَّ الْحِمَارَ مِعَ الْمَارِمَطِيَّةِ وَادْخُلُوتَ بِهِ فَبَئِسَ الصَّاحِبُ
اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف ”صاحب“ کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت و شرف سے محروم ہو جائیں گے۔
ایمان کے لفظ کو ہی لیجیے اس کا معنی تصدیق کرنا ہے یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی

بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت و جبتو کی بھی آیت ملاظہ ہو۔

أَلْمَ تَرَأَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ

بِالْجِبْرِ وَالظَّاغُوتِ (النساء: ٥١)

”کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے
(وہ اب) ایمان لائے ہیں جبتو و طاغوت پر۔“

اسی ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا یہ
ترک وطن اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی رضا کے
لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے، کسی عورت سے شادی رچانے
کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور
معبدان باطل کی بھی۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا
يَنْفَعُهُمْ۔ ”وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبدوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا
سکتے ہیں اور نہ نفع۔“

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعثِ شرف نہیں
تو پھر، ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف و فضیلت سے
بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت
افزاں نہیں ہوگی۔ درحقیقت ان الفاظ میں عزت و شرف ان کے لغوی معنوں
کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور
اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور
اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے ہوگی، عبادت جب اللہ

تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز و ذیشان ہوں گے اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات اسی نسبت نے اس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصدق ہے یعنی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، اس کو بھی وہ رفتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلکِ الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

از راہِ انصاف آپ ہی بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت و معیت اور ایک کافر فاسق کی صحبت و معیت یکساں ہے؟ کوئی صاحبِ ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ نیز حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اس سنگت و رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دو لفظوں میں غور فرمائیے۔ اس کے عدد کا ذکر لغت عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثہ، رابع اربعہ وغیرہ یعنی دو میں سے دوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا، اس صورت میں پہلا عدد دوسرے عدد کا جزو اور حصہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ، یعنی دو کو تین بنانے والا، تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا، اب اسے اس میں داخل کیا جا رہا ہے پہلے صرف دو تھے اس عدد کے اضافہ سے اب وہ تین ہو گئے، پہلے صرف تین تھے بعد میں اضافہ ہوا

اب وہ تین چار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اشیاء فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے ان دونوں میں سے دوسرا، یہ لیگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبان رسالت نے یوں بیان فرمایا ہے، اور اس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منج الصاقین میں اس آیتِ طیبہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

”جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غار سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہوا اور اندر یشہ پیدا ہوا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیرا اللہ تعالیٰ ہو؟“

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر ٹوٹنے کی جائے ہے
ہمارے یہ کرم فرم لا تحزن کے لفظ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر الزامات و مطاعن کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں آپ بھی سُنیے اور ان کی روشن بیداد کی داد دیجیے۔

کہتے ہیں کہ ”یہ حزن جس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو منع کیا جا رہا

ہے یہ طاعت تھا یا معصیت، طاعت تو ہو نہیں سکتا ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لازماً یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔

جو اب اعرض ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا لَا تَخْفِ إِنَّكَ أَنْتَ أَلَّاَ عَلَى ”آے موسیٰ علیہ السلام خوف نہ کرو تم ہی سر بلند ہو گے۔ (68:20) حضرت لوٹ علیہ السلام کو فرشتوں نے کہا لا تحزن إِنَّا مِنْ جَرِكَ وَاهْلَكَ ”آے لوٹ علیہ السلام حزن نہ کرو ہم تمہارے اہل و عیال کو نجات دینے والے ہیں۔

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو فرمایا لَا يَحْزُنْكُ قَوْلُهُمْ ”آے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! کفار کی باتیں آپ کو حزین غمگین نہ کریں“۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنْكَ الَّذِي يَقُولُونَ... الْآيَة

”آے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کو کفار کی باتیں غمزدہ کر دیتی ہیں“۔

کیا ہم ان محققین سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ان آیات مقدسہ کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سید الانبیاء والرسُّل علیہم الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں

اُن کا فتویٰ کیا ہے۔ یہ خوف اور حزن جس سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو روکا جا رہا ہے طاعت تھا یا معصیت، طاعت تو ہونہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف اور حزن سے روکا جا رہا ہے یہ لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمائے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف امور طبیعیہ میں سے ہیں، بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجمی لاتخف اور لا تحزن کہہ کر فرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حزن و ملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اس پُر خطر سفر میں سنگت ہی نہ کرتے انہیں اگر کوئی غم تھا یا کوئی حزن تھا، اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ اُن کے ہادی و مرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو مبادا کوئی گزند پہنچے ورنہ یہ عالم درہم برہم ہو جائے گی۔ گلشنِ ہستی میں خاک اُڑنے لگے گی، عروں گیتی کا سہاگ لٹ جائیگا۔ ارض و سما کی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہو جائیں گی، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حزن و ملال کی حد نہ رہی۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا اُے میرے یارِ غار! غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

”معَنَا“ کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیتِ الہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیت علم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے

ساتھ ہے۔ جیسے اس آیتِ مبارکہ میں ہے۔

أَلَمْ تَرَأَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ طَمَّا
يَكُونُ مِنْ نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٌ إِلَّا هُوَ أَبْعَدُهُمْ وَلَا خَمْسَةٌ إِلَّا هُوَ
سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ

مَا كَانُوا عَلَىٰ (مجادلہ: 7)

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چھٹانہ ہوا اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کا چھٹانہ ہوا اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی مشورہ کر رہے ہوں،“ -

اس آیتِ طیبہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تهدید اور سرزنش ہے خبردار اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم پنج نہیں سکتے۔ معیتِ الہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقُوا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ⑩

”بیشکِ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں،“ - (النحل: 128)

اس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے نوازتا رہتا ہے۔

معیتِ الٰہی کی تیری قسم وہ ہے جو انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو میسر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں اُن کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سراغنے ذیل و رسوأ ہوتے ہیں اور ان تمام اقسام سے اعلیٰ وارفع معیتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو سید الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے مخصوص ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے یارِ وفادار کو انَّ اللَّهَ مَعَنَا فَرَمَّا كر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فَدَكَ أَبِي وَامِي يَارُسُولَ اللَّهِ مَا كَرْمُكَ وَمَا جَوَدُكَ وَ
جَزَّاكَ اللَّهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ يَا أَبَابَكَرَ مَا وَفَاكَ وَمَا أَسْعَدَ
حَظْكَ

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے شاعر دربارِ نبوت حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آئے حسان! کیا تم نے شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی ہاں یارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! میں نے آپ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا سناؤ میں سنتا چاہتا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

وَثَانِي اثْتَيْنَ فِي الْغَارِ الْمَنِيفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِهِ إِذْ صَعَدَ الْجَبْلَا
”آپ دو میں سے دوسرے تھے اس پا برکت غار میں اور دشمن نے اس

کے اردو چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا،
وكان حب رسول الله قد علما
من البرية لم يعدل به الرجل
”ابو بکر رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے
محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔“
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ شعر سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
ہنس پڑے اور فرمایا! اے حسان رضی اللہ عنہ تم نے سچ کہا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ
ایسے ہی ہیں۔ (ابن عساکر، ابن زہری عن انس)
اللہ تعالیٰ را ہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمع جمالِ مصطفوی صلی
اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پروانوں کی عزت و احترام اور پیروی کرنے کی
سعادت سے بہرہ انداز کرے۔
آمین بجاہ طا نیس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

قارئین کرام! اب آخری مضمون پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور اس کا عنوان ہے:

اطاعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
کچھ عرصہ قبل ایک رسالے میں مضمون چھپا جس کا عنوان تھا ”اطاعت کرو صرف اللہ تعالیٰ کی“، اور مضمون نگارنے یہاں تک لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سوا کسی اور کسی اطاعت شرک ہے۔

قارئین کرام! ہم اس پر تبصرہ کئے بغیر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات پڑھتے ہیں اور اس خالق و مالک کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے ارشاداتِ پاک پڑھ کر ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آ میں ثم آ میں)

حضور ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الا زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر ضیاء القرآن کی فہرست میں 59 آیات مبارکہ اس عنوان کے تحت تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند ایک آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یاد رہے کہ ان آیات مقدسہ کا ترجمہ اور تشریح ضیاء القرآن شریف اور حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف سنتِ خیر الانام سے ملا کر پیش کروں گا۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحْبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوهُنِّي يُحِبِّكُمُ اللَّهُ
وَيَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا

اللَّهُ وَالرَّسُولُ جَإِنْ تَوَلُّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكُفَّارِينَ ۝

”آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ تعالیٰ اور بخش دے گا تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی پھر اگر وہ منه پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔“

(آل عمران: آیت 31-32)

تشریح: جب یہود کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم تو پہلے ہی محبتِ الہی سے سرشار ہیں اور اس کے لاڈے فرزند ہیں، ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی امت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں۔ سابقہ آیات میں قرآن کریم نے اُن کے بُرے اعمال اور رذیل عادات کا ذکر فرمایا۔ ایسی ناپسندیدہ حرکات کے باوجود وہ خدا کی دوستی کا دم بھرا کرتے۔ ان آیات مقدسہ میں انھیں تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ محبتِ الہی کا دعویٰ بغیر دلیل قابلِ التفات نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تمِ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ اگر تم نے دل و جان سے اس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کی تو تمہارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کئے جاؤ گے یعنی تمہیں محبوبِ الہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا۔ اور تمہارے اعمال نامہ کی

سیاہی کو رحمت اور مغفرت کے پانی سے صاف کر دیا جائے گا۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی عظمت شان اور جلالتِ قدر کا کیا کہنا جس کی غلامی یہودا یسی راندہ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن سکتی ہے اور اس کے گھناؤ نے کرتو توں کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر امت مسلمہ اتباعِ صبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اپنا شعار بنالے اور سنتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبویت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ حیا کا سرندامت کے بوجھ سے اٹھ نہیں سکتا جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور عمل کی دنیا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سنت سے انحراف کیے ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے:-

لو کان حبک صاد قالا طعته ان السحب لمن يحب مطیع
یعنی اگر تیری محبت سمجھی ہوتی تو تو اپنے محبوب کی اطاعت میں سرگرم ہوتا کیونکہ محبت تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

اس آیت میں بھی دعوتِ اسلام قبول کرنے والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کرو۔ آج کل بعض لوگ اس تحریک کو بڑی سرگرمی سے چلا رہے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کا اتباع کرنا چاہیے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے احکام کا اتباع کرنے کے دعویٰ کے ساتھ وہ انکارِ سنت کی جرأت کیسے کرتے ہیں۔ کیا قرآن کریم نے ہی

بے شمار مقامات پر نہایت واضح اور زور دار انداز میں یہ حکم نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اس کا حکم مانو اور اس کے اسوہ، حسنہ کو اپناو۔ تو گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری قرآن کریم سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ قرآن پاک ہی کی بے شمار آیات کی تعمیل ہے۔ اگر آپ سُنْنَۃ نبوبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پیروی سے انکار کریں گے تو آپ نے صرف سُنْنَۃ کا، ہی انکار نہیں کیا بلکہ قرآن کی بے شمار آیات کا انکار کر دیا۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے کہتے ہیں؟ یہ بتادینا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی لفظی ابہام را ہ راست سے منحرف کرنے کا باعث نہ بنے۔ امام ابو الحسن آمدی نے ”اتباع“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ الاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه والتأسی ان تفعل مثل فعله على وجهه من اجله: کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ اور امام آمدی اطاعت کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَمَنْ أَتَى بِمِثْلِ فعل الغیر على قصد اعظمـه فهو مطیع له: جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت و احترام کے باعث بعینہ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو وہ اس کا مطیع کہلاتا ہے۔ اتباع و اطاعت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے متعلق جو حکم قرآن کریم نے ہم کو دیا ہے (جس کی اطاعت وہ بھی فرض سمجھتے

ہیں) اس کی تعمیل کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے افعال کو بالکل اسی طرح ادا کریں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ادا فرمائے اور صرف اس لیے ادا کریں کہ یہ افعال اس ذاتِ اطہر و اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے ظہور پذیر ہوئے ہیں جو جمال و کمال کا وہ پیکر ہے جس سے حسین تر اور جمیل تر چیز کا تصور تک ممکن نہیں۔ کاش! ہم قرآن پاک کے الفاظ کو اپنی منگھڑت تاویلات کا اکھاڑہ بنانے سے باز رہیں اور اس آیت کے آخر میں اتباع و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے روگردانی کرنے والوں کو جن الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اس پر غور کریں۔

یہ ہے قرآن پاک کی آیات بینات کا اعجاز کہ ان کے سامنے شک و ارتیاب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ بے نقاب ہو جاتی ہے۔ ان دو آیتوں پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ لُغُ جو میرے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے، اس کے نقشِ پا کو اپنا خضر را نہیں بناتے اور اس کے ارشادات کے سامنے سَمِعْنَا وَأَطْعْنَا کہتے ہوئے سرِ تسلیمِ خم نہیں کر دیتے اور پھر کہتے ہیں کہ اے رب! ہمارے دل تیری محبت سے سرشار اور سینے تیرے نورِ عشق سے معمور ہیں، وہ جھوٹے ہیں۔ ان کا تو مجھ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر واقعی انہیں مجھ سے الفت ہے تو میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا اتباع کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ میں بھی ان سے محبت کرنے لگوں گا یعنی پہلے وہ صرف محبت تھے

اور اس دعوےِ محبت کی صداقت پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تھی لیکن جب میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی غلامی کا شرف انہیں حاصل ہو جائے گا، تو ان کا دعویٰ محبت بھی مسلم اور انہیں خلعتِ محبوبیت بھی مبارک! محبوبیت حقیقت میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری میں پختگی اور ثبات کا نتیجہ ہے۔ اسی حقیقت کی طرف تو حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

چوں تمام افتاد، سراپا ناز، می گرد نیاز
قیس را لیلی ہے نا مندور صحرائے من

محبتِ الہی کی وضاحت:

اس آیت کریمہ میں **يُحِبُّونَ اللَّهَ** اور **يُحِبُّكُمُ اللَّهُ** کے الفاظ میں محبت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس پر اگر مزید غور کیا جائے تو حقیقت یوں اجاگر ہو جاتی ہے کہ پھر کسی کو مجالِ انکار نہیں رہتی۔

محبت کیا ہے؟ بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے کیسی ہوتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے بندے سے، کا کیا معنی ہے؟

محبت کہتے ہیں اُس کشش اور میلان کو جو دل میں کسی با کمال ہستی کی طرف پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کمالِ معنوی ہو یا صوری، حسنِ ظاہری ہو یا حسنِ سیرت و شماہل اور یہ جذبہ اسے اس ہستی سے قریب تر ہونے کے لیے بیتاب رکھتا ہے۔

بندہ جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ گلستانِ حسن و خوبی کی ہر پتی اور ہر کلی پر اس

ذاتِ احادیت کا جمال جلوہ طراز ہے اور آنکھ جو کمال کہیں اور کسی شکل میں دیکھتی ہے اس کا سرچشمہ وہی ذاتِ صمدیت ہے تو اس کے عشق و محبت اور اجلال و احترام کی محرابوں کے مصنوعی صنم پاش پاش ہو جاتے ہیں اور اس کے ان تمام جذبات کا مرکز صرف ایک وہی ذات رہ جاتی ہے۔ اس کا یہ جذبہ چونکہ ایجابی ہوتا ہے اس لیے اپنے محبوبِ حقیقی کی عبادت اور اطاعت میں عملی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جذب نہایا کی اسی نمود اور ظہور کو محبۃ العبد للہ (بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر خلوصِ نیت اور عزمِ صادق کی زادے کروہ راِ عشق پر چل نکلے تو بارگاہِ ربوبیت سے جلد ہی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی) کی نویدِ جانفزا سامع نواز ہوتی ہے۔ اسی سفر فرازی اور پذیرائی کو اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت کہا جاتا ہے۔

دلِ عاشق میں وصالِ حبیب کے لیے بے قراری کی جو آگ بھڑک رہی ہوتی ہے وہ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ کوئی ایسی صورت نکالے خواہ جان پر، ہی کیوں نہ کھیلنا پڑے جس سے وصالِ میسر ہو۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے عاشقانِ دل فگار کی رہنمائی نہ فرمائے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے عقل و فکر کی قوت سے قربِ الہی حاصل کر سکیں کیونکہ ان کی عقل خواہ کتنی ہی روشن ہو بہر حال محدود ہے۔ ان کا فکر کتنا ہی بلند پرواز ہو بہر حال انسانی فکر ہے اسی لیے رب العالمین نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بھیجا اور تمام دنیا والوں کو بتا دیا کہ اگر میری رضا و قرب کے خواہشمند ہو اور میرے وصال کے طلبگار ہو تو گمان و تخيین کی

دلدوں میں نہ بھلکتے پھر و بلکہ میرے رسول کا دامن پکڑلو۔ اس کے بتائے ہوئے طریقے پر میری یاد کرو۔ اس کے سکھائے ہوئے اسلوب پر میری عبادت کرو۔ اپنی اقتصادی، سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی مشکلات کو اس کے ارشادات کے مطابق حل کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ خُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَةً وَلَا تَتَّبِعُوا
خُطُواتِ الشَّيْطَنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

”اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ - (البقرہ: 208)

یہی میری رضامندی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے اور صرف اسی طرح تمہیں میرا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔

اب اگر کوئی محبتِ الٰہی کا مدعی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتا یا تو وہ نادان ہے یا وہ اپنے دعوے محبت میں جھوٹا ہے۔ اسی پر ہی اکتفا نہیں بلکہ اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی مزید برکات و خیرات کا بھی ذکر فرمایا کہ:

يَعْفُرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی برکت سے تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ تمہاری لغزشوں اور کوتا ہیوں پر قلمِ عفو پھیر دیا جائے گا۔ یہ توسیب جانتے ہیں کہ قوموں پر خداۓ قہار کا عذاب ان کے گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نازل ہوتا ہے۔ قیامت خیز قحط، ہلاکت

آفریں جنگیں اور تباہ کن امراض کے شکنجه میں قدرت بلا وجہ نہیں کس دیتی بلکہ یہ انسان کی اپنی بد اعمالیوں کا طبعی ردِ عمل ہوا کرتا ہے۔

ذَلِكَ إِيمَانُ الْمُرْسَلِينَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَالٍ مِّنَ الْعَيْنِ ۝

”یہ بدلا ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا“۔ (آیت نمبر: 182)

لیکن اطاعتِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وہ اکسیر ہے جس سے جاں بلبِ مریض شفایاں ہو جاتا ہے۔ اس کے اعجاز سے ان قوموں کو تاجِ سروری عطا کیا جاتا ہے جو قعرِ مذلت میں مددوں سے پڑی سڑ رہی ہوتی ہیں۔ اسی کے صدقے ان امتوں کو حیاتِ نو اور ذوقِ عملِ مرحمت کیا جاتا ہے جو اپنی ستگامی سے زندگی کی دوڑ میں شکست کھا چکی ہوتی ہیں۔

تو چنان ہمائی اے جاں کہ بزیرِ سایہ تو
بکف آورند زاغاں ہمہ خلعتِ ہمائی
ایک قلبِ سلیم کے لیے تو اس روشن دلیل اور واضح برہان کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں لیکن دبیر ازال کے قلم مججز نگار نے کیونکہ اس مضمون کو مختلف اداؤں سے پیش فرمایا ہے اس لیے ان سے ممتنع ہونا بھی عین سعادت ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ النسا میں ارشاد فرمایا ہے۔

**تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُظْعِمْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُذْخَلُهُ
جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ ۖ خَلِيلِيْنَ فِيهَا ۖ وَذَلِكَ**

الفَوْزُ الْعَظِيمُ^⑬

”یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہ ریس ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی“ - (النساء: 13)

تشریح: یہ دنیادار لعمل ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوقات کو پھر زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال نیک و بد کا محاسبہ ہو گا۔ اطاعت کیش اور پاکباز جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوڑ ہوں گے اور سرکشوں اور متکبروں کو دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اس جہاں میں ہمارا مقصد زیست، شوکت و سطوت، جاہ و منصب اور عیش و نشاط کے حصول تک محدود نہیں، گوہم ان سے دستکش ہونا بھی کفر ان نعمت سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقاب ہمت اس عالم آب و گل کے کہستانوں میں آشیانہ نہیں بناتا۔ اس کا نشیمن تو فردوسِ اعلیٰ کی سب سے اوپری چوٹی ہے۔

ہماری حقیقی کامیابی یہی ہے کہ ہم قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوں اور اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا ہے کہ اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کرو اور یہی سب سے بڑی کامرانی کی علتِ تامہ ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے سرمدی انعامات کے مستحق صرف وہی خوش نصیب ہیں جنہوں نے فرمانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو دل و جان سے تسلیم کیا۔

اب سورۃ المجادۃ کی آیت نمبر ۹ پڑھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَسَاجَّيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَ
الْعُدُوِّ إِنَّمَا مَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبَرِّ وَالْتَّقْوَىٰ

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (النَّاسَ، ۹)

”اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں جمع کیا جائے گا۔“

شرح: ایسی سرگوشیاں ممنوع ہیں جن میں کسی گناہ کے بارے میں مشورے ہوں۔ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے تجویزیں سوچی جائیں یا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نافرمانی اور مخالفت کے لیے سکیمیں تیار کی جائیں۔ مسلمانوں کو کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نیک کام کے لیے، کسی مفید بات کے لیے باہم مل کر صلاح مشورہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ کس دلکش اور محبت بھرے انداز میں مسلمانوں کو ایسی سرگوشیوں سے روکتے ہیں جن میں فسق و تعدی اور فخر الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نافرمانی کی سازش کی جائے اور ساتھ ہی تنبیہ فرمادی کہ یہ تمہاری سرگوشیاں مجھ سے او جھل نہیں۔ اگر تم بازنہ آئے تو قیامت کے دن تمہیں رسول کیا جائے گا۔

اسلامی حکومتوں کے ارباب حل و عقد اور مجالس دستورساز کے ارکان

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران اس آیت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کس وضاحت سے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے خلاف کوئی آئین یا قانون بنانے کا انہیں کوئی اختیار نہیں۔ اسلامی مملکت کے صدر، وزیر اعظم اور افراط ان کسی خود ساختہ مصلحت کی وجہ سے ترکِ سنت کے مجاز نہیں۔

کئی مقامات پر رب العزت نے دوزخ کی آگ میں جلنے والوں اور عذابِ خداوندی میں گرفتار بد نصیبوں کا ذکر فرمایا کہ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ اس وقت کفِ افسوس ملتے ہوئے اور اشک ندامت بہاتے ہوئے نہایت حسرت سے اپنے جرم کا اعتراف بدیں الفاظ کریں گے:

يَوْمَ تُتَقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْكُنْتَنَا أَطْعُنَا
اللَّهُ وَأَطْعُنَا الرَّسُولُ^{۶۶}

(الاحزان: 66)

”جس دن ان کے منهالٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے کاش! ہم نے خدا کی اطاعت کی ہوتی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی“۔

ع ہائے اس زود پشمیاں کا پشمیاں ہونا
اور کہیں گے جب کہ ان کا یہ کہنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا:
يَوْمَئِنِ يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْتُسَوْيِ
بِهِمُ الْأَرْضُ ۖ وَلَا يَكُنُونَ اللَّهَ حَدِيثًا^{۲۲}

”اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ

واصحابہ وسلم کی نافرمانی کی، کاش! انہیں مٹی میں دبا کر زمین ہموار کر دی جائے اور کوئی بات اللہ تعالیٰ سے چھپانہ سکیں گے۔ (النساء: 42)

اب سورۃ توبہ کی آیت نمبر 29 پڑھیے اور غور کیجئے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نارِ ضمکی اور غضب کا کیا عالم ہے جو نورِ مجسم ہادیَ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور فرزند ان تو حید کو انہیں کوئی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے:

قَاتَلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِيُّونَ دِينَ
الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ
يَدِيهِمْ وَهُمْ صَفِرُونَ ﴿٢٩﴾ (توبہ: 29)

”لڑوان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔“

اللہ تعالیٰ نے نہایت کھلے طور پر یہ بیان کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی اطاعت اور سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت مساوی طور پر فرض ہے اور جو سزا قرآنِ کریم سے سرتاہی کرنے والے کی ہے اسی سزا کا مستحق سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا منکر ہے۔

سورۃ النساء آیت نمبر 61 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ
سَرَآءِيْتَ الْمُنْفِقِيْنَ يَصْدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝

”اور جب کہا جائے انہیں کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اُتاری ہے
اللہ تعالیٰ نے اور (آؤ) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف تو
آپ دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی
کرتے ہوئے۔“

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کی یہ عادت تھی کہ جس مقدمة
کے متعلق انہیں یہ یقین ہوتا کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا اس کے تصفیہ کے لیے تو
بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے اور جس کے متعلق یہ خیال ہوتا کہ ہم جھوٹے ہیں
اس کے لیے ایسے حاکم کے پاس جاتے جہاں انہیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے اثر و
رسوخ یارشوت سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیں گے۔ آج بھی بعض لوگ ایسے
امور میں تو شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے پر بڑے مُصر ہوتے ہیں جہاں انہیں
فائده کی توقع ہوا اور جہاں یہ خیال ہو کہ شریعت کا قانون ان کے خلاف ہے تو اس
وقت دوسرے قوانین اور رسم و رواج وغیرہ کی آڑ لیتے ہیں اور شریعت کے قریب
بھی نہیں پھلتے۔ آپ خود سوچیں کہ ان کے درمیان اور عہد رسالت کے منافقین
کے درمیان پھر کیا فرق ہوا۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں وہ بھی منافق ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو ماننے سے انکار کرتا ہے یعنی کوئی مسلمان
تو سنت سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سنت سے انحراف تو فقط منافقین کا

شیوه ہے۔

کیونکہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم رشد و بدایت کی کفیل ہے اسی سے انسان روزِ محشر کی ندامت سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہی بابِ جنت کی کلید ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و سعیج کا حقدار انہیں لوگوں کو ٹھہرایا ہے جو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں کوشش رہتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكِنُهَا لِلَّذِينَ
يَتَّقُونَ وَ يُؤْتُونَ الرِّزْكَةَ وَ الَّذِينَ هُمْ بِإِيمَنَّا
يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۶﴾ أَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَمِينَ

”اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو۔ سو اس کو لکھ دوں گا ان کے لیے جو متقی ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی جو نبی اُمی ہے،“ اخ (الاعراف: 156-157)

اطاعت اور اتباع کے معانی کی تحقیق:

کیونکہ ان تمام آیات میں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پیروی کا حکم ہے اطاعت اور اتباع کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لیے یہ بحث ختم کرنے سے پہلے لفظ اطاعت و اتباع کی تحقیق کر لینی چاہیے تاکہ کسی قسم کا لفظی نزاع بھی غلط فہمی کا باعث نہ بنے۔

عربی زبان میں اتباع کہتے ہیں کہ کسی شخص کے پیچھے پیچھے چلنا۔ چنانچہ ابن منظور نے اپنی لغت کی شہرہ آفاق کتاب ”لسان العرب“ میں اس کی یوں تحقیق کی ہے:

قال الفراء الاتباع ان يسير الرجل وانت تسير
وراءه و اذا قلت اتبعته فكانك قفوته
”فراء (لغت و نحو کے امام) نے کہا کہ اتباع کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص آگے آگے چل رہا ہو اور تو اس کے پیچھے پیچھے چلے اور اگر تو کہے کہ میں نے اس کی اتباع کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کے پیچھے پیچھے اور اس کے نقشِ قدم پر چلا۔“

صاحب ”تاج العروس“ نے اس مفہوم کو ذکر کرنے کے ساتھ چند ایک اور الفاظ بھی لکھے ہیں جن سے اتباع کا معنی اور زیادہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے مثلاً:

الْتَّبَعُ وَكَذَلِكَ التَّبَعُ كُسُّرُ الظَّلِّ سَمِّيَ بِهِ لَا نَهِيٌّ يَتَبعُ
الشَّمْسَ حِيشَما زَالَتْ وَ مِنْ السَّجَارِ التَّبَعُ ضَرَبَ مِنْ
الْيَعَاسِيبِ اعْظَمُهَا وَ احْسَنُهَا۔

”التَّبَعُ اور التَّبَعُ (جن کا مادہ اشتراق تبع ہے) کا معنی سایہ ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اور التَّبَعُ مجازاً شہد کی مکھیوں کے سب سے اعلیٰ اور بہتر نزک کو بھی کہتے ہیں (کیونکہ سب شہد کی مکھیاں اس کے پیچھے پیچھے رہتی ہیں)۔“

اور اس کا اصطلاحی معنی امام ابو الحسن الامدی نے یوں بیان کیا ہے:

واما المتابعة فقد تكون في القول وقد تكون في الفعل والترك فاتباع القول هو امثاله على الوجه الذي اقتضاها القول والاتباع في الفعل هو التأسی بعینه والتأسی ان تفعل مثل فعله على وجهه من اجله۔

”متابعت“ کسی کے قول کی ہوتی ہے اور ”کبھی کسی کے فعل و ترک کی، کسی کے قول کے اتباع کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے متبوع کی اس طرح فرمانبرداری کی جائے جس طرح اس کے قول کا تقاضا ہو اور کسی کے فعل کے اتباع کا معنی یہ ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔“

’اتباع‘ کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اتباع کے متعلق جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اس کی تعمیل صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اقوال پر اس طرح عمل کریں جیسا ان اقوال کا تقاضا اور منشا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے افعال کو اس طرح ادا کریں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ادا فرمائے اور اس لیے ادا کریں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان افعال کو ادا فرمایا۔ اگر ہم حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ارشادات پر اس طرح عمل نہ کریں جیسے ان کا تقاضا ہے یا

افعالِ رسالت کو اس طرح ادا نہ کریں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے
ادا کئے یا اس لیے ادا نہ کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انہیں ادا
کیا تو پھر اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے
بارہا حکم فرمایا ہے ہم محروم رہیں گے۔

اتباع کا معنی سمجھ لینے کے بعد اب ذرالفظ اطاعت پر غور فرمائیے:
عربی زبان میں اطاعت کسی کے سامنے سرتسلیم خم کر دینے اور اس کے
ہر حکم کی تعمیل کرنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔

و فی التہذیب وقد طاع له يطوع اذا انقاد له
بغیر الف فاذا مضى لا مرہ فقد اطاع۔

”تہذیب (لغت کی ایک مستند کتاب) میں ہے کہ قد طاع له يطوع
(جب کہ ثلاثی مجرد ہو) کا معنی ہے کسی کے سامنے سرتسلیم خم کر دینا اور
جب کوئی کسی کے حکم کی تعمیل کرے تو کہتے ہیں (قد اطاعه) یعنی اس
نے اس کی اطاعت کی،“۔

اور اطاعت کا اصطلاحی معنی امام ابو الحسن الآمدی نے یہ لکھا ہے۔

ومن اتی بمثل فعل الغیر علی قصد اعظم فہو مطیع لہ۔

یعنی جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت و احترام کے باعث بعینہ اس
کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص فلاں شخص کا مطیع ہے۔

تو گویا اہل عرب جن کی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا اطاعت کا لفظ
اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کے حکم کی تعمیل کی جائے اور اس کی

عزت و احترام کی وجہ سے بعینہ ایسا کام کیا جائے جیسا اس کام کو وہ معزز و محترم شخص کرتا ہے۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حکم الہی کی تعمیل کی واحد صورت:

اب جن آیاتِ قرآنی میں اطاعت و اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بار بار تاکید کی گئی ہے ان پر عمل فقط اسی صورت میں ہوگا کہ آپ ایسا کریں جیسے وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کرتے ہیں یعنی جیسے وہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح، انہیں اوقات پر اتنی ہی رکعتیں ادا کریں، حج کی جو عملی تصویر وہ پیش کرتے ہیں بعینہ اس کا چربہ اتاریں۔ زکوٰۃ کے نصاب اس کی شرح وغیرہ کے جو اصول انہوں نے سکھائے ہیں بلا چون و چرا ان پر عمل پیرار ہیں۔

لین دین، نکاح و طلاق، اخلاق و معاشرت کے جو ضوابط انہوں نے مقرر فرمائے ہیں ان پر بطيہ خاطر کاربند رہیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو واقعی آپ نے اُن صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی متابعت کی اور اپنے رب کا حکم مانا لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنی فہم و دانست کے مطابق تعلیماتِ اسلامی کو نت نئی شکلوں میں پیش کر کے اپنے شوقِ تجدید پسندی کی تسلیم کا سامان مہیا کرتے ہیں تو یہ بلاشبہ اتباع ہوں و اطاعتِ نفس تو ہوگی لیکن آپ اسے کسی تاویل کی قوت سے بھی اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور اتباعِ سنت نہیں کہہ سکتے۔

اب ان حضرات کی خدمت میں مودبانہ التماس ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سنت کے منکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے کلامِ پاک میں جسے

وہ بھی قیامت تک کے لیے غیر تغیر پذیر مانتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ جزئیات کو
بھی غیر متبدل تسلیم کرتے ہیں، یہ فرماتا ہے:

گناہوں کی بخشش چاہتے ہو تو میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
 وسلم کی اطاعت کرو۔

میری محبت کے دعویدار ہو تو میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
 کی اطاعت کرو۔

جنت کے طلب گار ہو تو میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی
 اطاعت کرو۔

میرے محبوب بنا چاہتے ہو تو میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
 وسلم کی اطاعت کرو۔

میرے دامنِ رحمت میں پناہ چاہتے ہو تو میرے رسول صلی اللہ علیہ
 وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کرو۔

اور جس وقت تمہیں کسی خطہ زمین میں غلبہ و تمکین عطا فرماؤ اور تم
 مجالسِ دستور ساز میں وضع آئین و قوانین کے لیے اکٹھے ہو تو میرے رسول صلی
 اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کرو۔

ورنہ

قیامت کے دن ہونٹ کاٹو گے۔

اپنے تم روسر کشی پر پچھتاو گے۔

اپنے وجود تک سے بیزاری کا اظہار کرو گے۔

لیکن کوئی عذر نہیں سُنا جائے گا۔

اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہیں اب ہمیں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ہمارا حکم واجب التعمیل ہے اور ہماری سنت قابل تقلید۔

قرآن پاک کے اصولوں اور اس کی تفصیلات کو اٹل اور دائری کہنے والے اب ان آیات کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ کیا یہ آیتیں ان کے نزدیک قرآن پاک کی نہیں ہیں؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا کلام نہیں؟ ان کو وہ کیوں غیر متبدل نہیں سمجھتے؟ کیا یہ آیاتِ محکمات منسوخ ہو چکی ہیں؟ یا ان کے معانی بدل چکے ہیں؟ ایک مفتری نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ صادر کر کے امتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے قوائے عمل و نشاط کو مغلوب کرنا چاہا تھا تاکہ اپنے محسن آقا کے سامنے اپنی نیازمندی اور وفاداری کا ثبوت پیش کر سکے، جس کے فکرِ فتنہ ساز نے اس کے لیے نبوتِ تخلیق کی۔ جس کے دجل و فریب سے اس کے باطل کوتقویت ملی۔ جس کے مکرو خداع نے اسے دامِ ہمنگ زمین بخشنا اور جس کی بخششہائے بے اندازہ نے اسے مال و جاہ کے پچاریوں کا قاضی الحاجات بنادیا۔

لیکن زمین و آسمان کا خدا شاہد ہے کہ وہ اپنی دسیسہ کاریوں میں ناکام رہا، امتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دلوں سے جہاد کا جذبہ مٹ نہ سکا۔ راہِ حق میں مر نے کی تڑپ کم نہ ہوئی۔ اسلام کا پرچم بلند رکھنے کے عزم میں ضعف نہ آیا۔ میدانِ سرفروشی میں نعرہ تو حید بلند ہوتا رہا اور شہادت گاہِ عشق میں

آقائے بدر و حنین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے غلام اپنا دل و جاں نثار
ابروئے جاناں کرتے ہی رہے اور جب تک چشم آفتاًب روشن ہے وہ یہ نظارہ
دیکھتی رہے گی۔

اب یہ ملت کے نئے دردمند اور بھی خواہ صرف ایک چیز کو نہیں بلکہ
اسلام کے ان تمام اصولوں کو ناقابل عمل ثابت کرنے کے لیے کوشش ہیں جن کا
سرچشمہ ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن
پاک کو مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کے احکام میں رد و بدل ناممکن ہے
لیکن اگر وہی قرآن پاک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ
وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور صرف ایک بار نہیں بلکہ
سینکڑوں بار کہتا ہے تو پرواہیں کرتے اور یہی کہتے ہیں کہ نہیں اطاعت رسول صلی
اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ہم پر بلکہ ساری امت پر رسول
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت فرض نہیں رہی۔

چج تو یہ ہے کہ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہاتھ سے
چھوٹنے کے بعد کوئی کتنا ہی چاک بک دست ہو جبل اللہ (قرآن) کو نہیں تھام سکتا۔
جن کے لیے نقشِ پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم دلیل را نہیں ان
کے لیے سروشِ غیب بھی بے معنی ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سُنّتِ تشریعی
(سُنّت طبعی نہیں) میں جو اصول اور جو احکام مذکور ہیں زمانے کے بدلتے ہوئے
احوال اس کے دامنِ ابدیت کو نہیں چھو سکتے۔ شب و روز کا غیر منقطع تسلیل ان کی

حیات بخش اور شباب آفریں قوتوں کو مضمحل نہیں کر سکتا۔ گردش لیل و نہار ان کی افادیت و اصلاحیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ہمارا یقینِ محکم ہے کہ قرآنِ کریم کے دوسرے اصول اور تفصیلات جس طرح ابدی اور دامی ہیں اسی طرح اطاعت رسالتِ مطہب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے متعلق جو حکم ہے وہ بھی قیامت تک کے لیے واجب العمل ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

کسی شخص کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک بالا و پست، بحر و بر، نور و ظلمت غرض کہ ہر اُس ذرہ کا جسے اس نے خلعت وجود سے نوازا ہے بلا شرکت غیر مالک و مختار ہے۔ اس کے حکم سے فلک نیلگوں کا سائبان بغیر سہارے تنا ہے۔ اسی کے حکم سے سورج اور چاند کو رداۓ نور، ستاروں کو تنک تابی اور دریاؤں کو روانيٰ مرحمت کی گئی ہے اور اسی کی اجازت سے نبضِ ہستی سرگرمِ خرام ہے پھر اس کی اطاعت کے بغیر کسی اور کی اطاعت کا کیا معنی؟ جب وہ خود فرماتا ہے کہ **إِنَّ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ** (حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں) تو صرف اسی کا ارشاد واجب الانقیاد ہو گا۔ **سِيِّئُهُمْ فِيْ وُجُوهِهِمْ مِنْ آفَرِ السُّجُودِ** کی دولت فقط اسی کے آستانہ، قدوسیت پر جیسی فرسا ہونے کا شمر ہے تو پھر یہ دوئی (Dualism) یعنی خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت کیسی؟

اگر متذکرہ بالا آیات اور ایسی دیگر آیات قرآنِ کریم کے صفحات کی زینت نہ ہوتیں تو شاید اس شبہ میں کچھ وزن ہوتا۔ ان آیات کو خدا کا کلام یقین

کر لینے کے بعد تو قلبِ مومن میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ حکم الحاکمین اور غیور بادشاہ ہے جو اپنی سلطنت میں کسی غیر کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا اور جہان بانی اور حکمرانی کا حق صرف اپنے لیے محفوظ کیا ہے تو پھر اس کا ہر حکم خواہ اس کی حکمت و غایت کے ادراک سے ہماری فہم نارسا عاجز بھی رہے واجب الاتصال ہے اور جب اسی نے بار بار یہ حکم دیا **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** تو پھر مجالِ دم زدن کہاں اور یارائے قیل و قال کسے؟ اب اس میں تامل کرنا گویا اس کے حکم کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت دو علیحدہ اطاعتیں ہیں، ہی نہیں تاکہ یہ سوال پیدا ہو بلکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ خدا کی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی فرمانبرداری، خدا کی فرمانبرداری، یہ بھی میں نہیں کہتا بلکہ اسی ربِ ذوالجلال کا ارشاد ہے جس نے سارے عالم کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اپنے ایک نہایت ہی برجزیدہ بندہ پر قرآن پاک نازل فرمایا۔ اُسی خالق و مالک کا ارشادِ پاک ہے:

وَآتُ سَلْتُنَكَ لِلنَّاسِ رَسُولًاٰ وَكُفِي بِإِلَهٍ شَهِيدًاٰ^{۱۹} **مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّ فَمَا آتُ سَلْتُنَكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًاٰ**^{۲۰} (النساء: 79-80)

”اور (اے محبوب) ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لیے رسول بنانا کر بھیجا۔ اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ

وسلم کا حکم مانا اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور جس نے منه پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کا محافظہ بنانے کرنہیں بھیجا،۔

اس نصِ محکم کے بعد اطاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اطاعتِ خداوندی سے الگ تصور کرنا آیاتِ قرآنی سے جہالت و بیگانگی کی دلیل ہے۔

الناس پر الف لام استغراق کے لیے ہے یعنی ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے اور ہر زمانہ کے انسانوں کے لیے رسول بنانے کر بھیجا ہے۔ کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیت اور کوئی وطن اس سے مستثنی نہیں۔ سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہی ہادی اور مرشد ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سب کے رسول ہیں اور رسول کی تشریف آوری کی غایتِ ابھی بتائی جا چکی ہے کہ الالیطاع باذن اللہ کہ اس کی اطاعت کی جائے تو اب کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اپنا رسول تو تسلیم کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت سے منحرف ہو اور آیاتِ بینات میں دُور از کارتاؤیلات کرتا رہے۔ یہ تو یہود کا شیوه تھا کہ بعض آیاتِ تورات جوان کی ہوائے نفس کے مطابق ہوتی تھیں انہیں مان لیا کرتے اور دوسری آیات کا حسبِ مذاہم طلب گھڑ لیتے۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ قرآن پاک نے سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بے چون و چرا اطاعت کو بار بار اتنا دہرا یا ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب یقین کرنے والے کے لیے سُنْتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے انحراف کے سارے

دروازے بند کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد باری تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! اس حقیقت کی صداقت پر خود خدا گواہ ہے کہ تو اس کی ساری کائنات کا ہادی و مرشد ہے اور ایسے گواہ کی شہادت کے بعد دنیا بھر کے منکرین کا انکار پر کاہ کی وقعت نہیں رکھتا۔ ناگفتہ بہ حالات میں اسلام کا غالب آنا اور دشمنانِ اسلام کا کچھ ہی مدت بعد اس کی ناموس و عظمت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنا اللہ تعالیٰ کے گواہ ہونے کی سب سے روشن دلیل ہے۔

کتنا کھول کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا مطیع وہی ہے جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مطیع ہو۔ لا کھوئی دعویٰ کرے اطاعتِ الہی اور اتباعِ قرآن کا، وہ جھوٹا ہے جب تک اللہ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سُنت کا پابند نہ ہو۔

قارئینِ کرام! اس ایک مضمون پر بہت بڑی کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن اب اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اور اگر کسی کو مزید مطالعہ کا شوق ہو تو حضور ضیاء الامم حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف سُنتِ خیر الانام کا مطالعہ فرمائیں۔

ایک فتویٰ

قارئینِ محترم!

میں نے قرآن و سنت کے مطابق حلال و حرام کی بہترین شرح کے لیے واجب صد احترام استاذ العلماء، شیخ الحدیث، مفتی، قاضی محمد ایوب صاحب کی خدمت میں ایک سوالنامہ پیش کیا تا کہ حلال و حرام کی تمیز میں کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔ جناب مفتی قاضی محمد ایوب صاحب نے بڑی محبت اور اہتمام کے ساتھ مجھے تفصیلی جواب سے نوازا۔ پہلے آپ میرا سوالنامہ دیکھیں، اس کے بعد شیخ الحدیث جناب مفتی، قاضی محمد ایوب صاحب کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

محترم المقام واحب الاحترام جناب استاذ العلماء شیخ الحدیث
مفتی قاضی محمد ایوب صاحب!

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته!

امید ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

جناب کی خدمت اقدس میں جیسا کہ میں نے ٹیلیفون پر عرض کیا تھا اب آپ کے ارشاد کے مطابق تحریر اعرض گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جلدی جواب سے نوازیں گے۔

مسئلہ نمبر 1: قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ ارشاد فرمائیں کہ سود، شراب، جوئے، حرام گوشت جس میں خنزیر بھی شامل ہو، گندے رسالے اور فلمیں جن میں انسان بالکل برهنہ ہو کر بد کاری کرتا دکھایا گیا ہو، کیا ایک مسلمان کو ان چیزوں کا کاروبار کرنے کی اجازت ہے؟ نیز اس بارے یہ وضاحت بھی فرمائیں کہ مسلم معاشرے میں اور غیر مسلم معاشرے میں حکم اللگ الگ ہے یا کہ ایک جیسا۔ مثال کے طور پر مسلم معاشرے میں تو ایک مسلمان کو یہ کاروبار کرنا حرام ہے، لیکن غیر مسلم معاشرے میں ایک مسلمان کو یہ کاروبار کرنے کی اجازت ہے؟

مسئلہ نمبر 2: کیا علماء اسلام کو ایسے کاروبار کا افتتاح جا کر کرنا جائز ہے؟

مسئلہ نمبر 3: کیا علماء اسلام کو ایسے کاروبار میں برکت کے لیے دعائیں کرنی چاہئیں؟

مسئلہ نمبر 4: ایک امام مسجد عالمِ دین صاحب کو اگر نمازی یہ لکھ کر دے کہ جناب اپنے درس میں یا اپنے جمعۃ المبارک کے خطاب میں قرآن پاک میں سے سورۃ المائدہ آیت نمبر 90، 91، 92، 93 اور سورۃ النحل آیت نمبر 96 تا 91 کا ترجمہ اور تشریح بیان کریں تو وہ عالمِ دین صاحب ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور تشریح نہ بیان فرمائیں اس ڈر سے کہ کہیں یہ حرام کاروبار کرنے والے ناراض نہ ہو جائیں، کیا عالمِ دین صاحب کو ایسا کرنا جائز ہے؟

مسئلہ نمبر 5: اُپر ذکر کی گئی حرام چیزوں کا کاروبار کرنے والے آدمی کو ایک مسجد کی انتظامیہ کا سربراہ بنا کر مسجد کے تمام معاملات اس کے ہاتھ میں دیئے جاسکتے ہیں؟ کیا مسجد میں اس آدمی کی ہر بات پر عمل کیا جا سکتا ہے خواہ وہ بات سراسر قرآن و سنت کے خلاف ہو؟

والسلام

صوفی محمد اکرم اوسلو ناروے

الجواب بعون الملك الوهاب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

1. سود، شراب، خزیر اور قمار ان چاروں چیزوں کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ (البقرہ 173)

”اس نے حرام کیا تم پر صرف مردار اور خون اور سو رکا گوشت۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبُوا

”الله تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔“

ربو کے بارے میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قَوَّا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبُوا

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٩﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأَذْنُوا بِحَرْبٍ

مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﷺ (بقرہ: 278-279)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم مومن ہو تو (زمانہ جاہلیت کا بھی) باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔“

اس آیت کریمہ میں سود کے اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی ناقابل

تلافی نقصانات کے باعث اس کی حرمت کو اتنے شدید پیرائے میں بیان کیا گیا ہے جس کی مثال نہیں۔ جوان احکام کے بعد بھی سود لینے کی جرأت کرے گا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

حضور سیدی و مرشدی قبلہ ضیاء الامم پیر محمد کرم شاہ الا زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ماہ نامہ ”ضیاء حرم“ نومبر 1981ء کے مضمون قرآن و حدیث کی روشنی میں دارالحرب اور سود کا مسئلہ صفحہ نمبر 73 پر اباحت سود کے بارے فرماتے ہیں:

ان دلائل میں مکر رسمہ کر رہیں نے غور کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اور ائمہ ثلاشہ کے دلائل زیادہ قوی ہیں اور میں بھی اس قول کو ترجیح دیتا ہوں۔ جب ایک بزرگ نے مجھے وہ آیت سنائی جس میں یہود کے طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے اموال میں خیانت و بد دیانتی کرتے انہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے:

لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمَّةِ سَيِّلٌ (آل عمران: 75)

”کہ امین (مسلمانوں) کامال لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی“۔

تو میں کانپ اٹھا کہ سود کی یہ روش مذموم اور فتح ہے تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی امت جو خیر الامم کے خطاب سے نوازی گئی ہے اسے کب زیب دیتا ہے کہ وہ کسی تاویل سے ایسی چیز کو مباح کرے جسے قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ نے فتح ترین حرام قرار دیا ہے اور اس سے بازنہ آنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ

کی دھمکی دی ہے۔

آخر میں مذکورہ بالا تمام چیزوں کی حرمت قطعیہ پر ایک اور آیت کریمہ
سینئے : ارشاد فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَ
الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُؤْقَعَ بَيْنَكُمْ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّشَهُونَ ۝

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جواء اور بت، جوئے کے تیر سب ناپاک
ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ اس لیے ان سے بچو! تاکہ تم فلاج پا
جائو۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور
بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یادِ الہی سے اور
نماز سے اور کیا تم بازاں نہ والے ہو۔“ (ما ندہ: 90-91)

قرآن کریم نے مختصر سے الفاظ میں ان دو مضر ترین خرابیوں کا ذکر کر
کے ان کی قباحت کو روزِ دشن کی طرح عیاں کر دیا ہے۔ بتایا کہ شراب اور جوائی
حرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تھم ریزی ہوتی ہے۔
گھرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاس سے اور سگے بھائی ایک دوسرے
کے دشمن بن جاتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نماز اور یادِ الہی سے غافل
ہو جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور بد نصیبی اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ موذنِ اللہ

تعالیٰ کے حضور میں شرف بازیابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہوا اور کوئی اس وقت شراب کے نشہ میں مدد ہوش ہو یا جواؤ کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی بھی اور گزر بھی گئی۔

اسی طرح گندے رسالے اور فلم میں جن میں انسان بالکل برہنہ ہو کر بد کاری کرتا ہوا دکھایا گیا ہو یا اس کے ذریعے غیر اخلاقی باتوں کی تشبیہ کی جائے تو اس کا دیکھنا بالکل حرام ہے اور اس کا بناانا اس سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اس کو اپنے لیے ذریعہ معاش بنانا سمجھیں ترین جرم ہے کہ یہ برائی ہی نہیں بلکہ برائی کی طرف دعوت دینا ہے اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہے۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کا کاروبار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں اور اس میں مسلم اور غیر مسلم معاشرہ کا کوئی فرق نہیں۔ حرام کا کاروبار جہاں بھی کیا جائے حرام ہے اور اسی طرح حرام گوشت یعنی خنزیر کے گوشت کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس لیے اس کا کاروبار اور اس کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے۔

2. حرام کا کاروبار کسی عام مسلمان کے لیے جائز نہیں تو علماء اسلام کا ایسے کاروبار کا افتتاح بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

3. علماء اسلام کو ایسے کاروبار کے افتتاح اور اس کے لیے برکت کی دعا کرنے سے بڑھ کر کون سی چیز اللہ تعالیٰ کی ناراً صَکَّی کا سبب بن سکتی ہے۔
ارشادر بانی ہے:

كَبُرَ مَقْتَأِعْنُدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ⑥

”بڑی نار اضکی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔“

”حضر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب میرانج میراگز رائیسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے جب ہونٹوں کو کاٹا جاتا تو پھر وہ پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا: یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے۔“

علماء اسلام ہو کر جو ایسے حرام کار و بار کا افتتاح کرتے ہیں اور اس کے لیے برکت کی دعا کرتے ہیں انہیں یہ آیت بار بار پڑھنی چاہیے اور اس قسم کی چیزوں کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

4. اگر عالم دین کو قرآن کریم کی ان آیات کا ترجمہ سنانے کے لیے کہا جائے تو حق بات کو اچھی طرح سے ضرور بیان کرنا چاہیے اور مخلوق کو راضی کرنے کے لیے خدا کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔

5. ایسی حرام چیزوں کا کار و بار کرنے والے آدمی کو مسجد کی انتظامیہ کا سربراہ ہرگز نہیں بنانا چاہیے اور اس کی ایسی بات جو قرآن و سنت کے خلاف ہو اس کو ہرگز

نہیں ماننا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لا طاعة للخلق في معصية الخالق۔

ترجمہ: خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

هذا ما عندى والله اعلم بالصواب

كتبه العبد المنيب

قاضی محمد ایوب

مفتشی دارالافتاء المحمدیہ الغوثیہ

بھیرہ، ضلع سرگودھا (پاکستان)

آخر میں دعا:

حضور سیدی و مرشدی ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازھری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر ضیاء القرآن شریف میں سورۃ صَ کی آیت نمبر 69 کی تشریح کرتے ہوئے حدیث شریف کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے دعائیں نگنے کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے۔ دعا کے وہی الفاظ یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! اب مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے عرض کی: الہی میں تجھ سے نیک کام کرنے، بُرے کاموں کو چھوڑنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں اور میں التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے، مجھ پر حرم فرمادے اور جب اپنے بندوں کو تو کسی فتنہ میں بٹلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف بُلا لے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مجھے اپنی محبت عطا فرمادے اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت عطا فرمادے۔ اس کام کی محبت عطا فرمادے مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا: دعا کے یہ فقرے تم بھی سیکھ لوا اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ یہ حق ہے۔

وَمَا عَلِيَّنَا إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حضرت امام حافظ عمال الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
کا عظیم شاہ بکار

تفسیر ابن کثیر

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء،
مولانا محمد اکرم الازہری، مولانا محمد سعید الازہری
اور مولانا محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

جلد اس علمی کارناٹے کو منصہ شہود پر لانے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

ضیاء القرآن پبلیکیشنز کے تفاسیر کا نام

تفہیم نور العرفان

حکیم الائمه مفتی احمد بارخان فتحی علی الرضا

تفہیم خزانہ عرفان

سید الافق حسن بن محمد شمس الدین حنفی آبادی ترجمہ میر

ضیاء القرآن ۵ جلد

مفہوم ضیاء الائمت حضرت پیر
محمد کرم شاہ الازہری نوادرتہ مرقدہ

تفہیم مظہر سری جلد ۲

عارف بالله حضرت قاضی شاہ اللہ
پانی پتی حسن اللہ علیہ

تفہیم الحدیث ۱ جلد

ابوالحسن سید محمد احمد قادری ترجمہ میر

تفہیم الحدیث

ملأجیون حجۃ الشیة علیہ

تفہیم دریم منور

علام جلال الدین سیوطی ترجمہ میر

تفہیم ابن کثیر ۳ جلد

علام ابوالقدر عمار الدین ابن کثیر ترجمہ میر

تفہیم حکام القرآن

مولانا جلال الدین فتاوی

تفہیم سورۃ النساء

پروفیسر نسبا رحمن

یَا لَهَا الَّذِي أَمْنَى

مفتی سعادت علی قادری